(جملہ حقوق محفوظ)

رسالہ

کبیر جنم ساکھی اردو

معہ

مختصر حالات گوسائیں تلسی داس مؤلف رامائن

مؤلفہ و مرتبہ

منشی محمد خلیل انصاری مؤلف کتب متعددہ متوطن بانہٹہ ضلع سہارنپور

جس کو قربان علی بسمل نے

دوسری بار سنہ ۱۹۳۳ء میں

السلطان دہلی میں چھپوا کر شائع کیا

کبیر صاحب اور گشائیں تلسی داس صاحب

کے حالات زندگی اور اون کے کلام پر نثر و نظم جناب

مولوی حاجی محمد خلیل صاحب انصاری ساکن قصبہ

انبیہٹہ ضلع سہارنپور نے سنہ ۱۸۲۵ء میں صوبہ متحدہ

مجھکو عنایت کئے تھے اُس وقت وہ ضلع گورکھپور

انسپکٹر تقسیم تھے - پہلا ایڈیشن ختم ہوچکا اور اب

دوسرا ایڈیشن ہی جو بجنسہ حاجی صاحب کے پہلے ایڈیشن

مطابق ہی - میں نے ایک صوفی مشرب ہندو بزرگ

درخواست کی ہی کہ وہ کبیر صاحب کے دیگر کلام پر تنقید

مجھکو عنایت کریں کہ بشرط زندگی تیسرے ایڈیشن

اوس کو شامل کردیا جائے -

۶ جون سنہ ۱۹۳۳ء — نیازمند قربان علی

دیباچہ

غیر قوم کے پیشواؤں کے حالات پر قلم اٹھانا کوئی جرم نہیں ہے۔ شاہ کبیر کے حالات
نے کا باعث میرے واسطے یہ ہوا کہ میں بسلسلہ ملازمت کمشنری گورکھپور میں تعینات ہوا
ں ضلع اعظم گڈھ میں شاہ کبیر کا مولد اور ضلع گورکھپور میں مدفن ہے۔ دورہ کی خدمات
وجہ سے مجھے مقام مدفن پر جانیکا اور تحقیقات حال کا موقعہ ملا چونکہ واقعات کبیر
سب کے دلچسپ پائے گئے لہذا جس قدر ملے مختصر طور پر سے قلمبند کیے گئے۔ اردو
ا کوئی ذخیرہ اس بزرگ کے حالات کا مکمل طور سے نہیں ہے۔ نول کشور پریس کی
کتاب بخط ناگری موسوم بہ بجک دیکھنے سے معلوم ہوا کہ کچھ حالات اور مقولات
ر ہیں ہیں۔ جن لوگوں کو کافی مہارت ناگری میں ہو وہ کچھ فائدہ اس سے حاصل کر سکتے
ہ۔ ایک رسالہ "جیون چرتر کبیر داس" اردو میں سوہن لال صاحب کالستہ لکھنوی
کشور پریس لکھنؤ میں سنہ ۱۹۰۰ء کا چھپا ہوا بھی نظر سے گذرا۔ جو نہایت تعصب کے ساتھ
ھا گیا ہے۔ اس میں کہیں ان ت ذبحیہ اد کہیں کبیر صاحب کو ہندو قرار دیکر ایک
مسلمان عارف کو ان کا چیلہ ہونا وغیرہ ایسے ہی خرافات درج کیے گئے ہیں۔ اور
رز انشا نہایت مہمل اور غیر موزوں ہے۔
ایسے ہی مولف کو ضلع باندہ کے قیام میں گسائیں تلسی داس کے مختصر حالات
علوم کرنے کی ضرورت ہوئی کہ ان کا وطن ضلع باندہ تھا۔ اور یہ دونوں آفتاب اور
ہتاب اپنے اپنے وقت پر ایسے گذرے ہیں کہ ان کے حالات سے سبق لینے کی ضرورت

ہے - پس یہ رسالہ اردو خوان حضرات ہی کے واسطے لکھا گیا ہے - امید ہے کہ وہ اہل بصیرت جنکو بزرگوں کے سوانحات سے دلچسپی ہے اس رسالہ کو قدر کی نگاہ سے دیکھیں گے اور مولف کی سعی وتلاش کی داد دیکر دعائے خیر سے یاد کرکے اس مقولہ پر عمل کرینگے - ؎

سائیں ست سنتوش دے بھاؤ بھگت بشواس

صدق صبوری سانچ دے مانگے داؤ داس

یعنی مدعا یہ کہ انسان کو حق سے دعا کرنی چاہیئے کہ اسے سچائی - قناعت - محبت اعتقاد صبر وغیرہ صفات عطا ہوں -

خاکسار

محمد خلیل انصاری متوطن انبہٹہ ضلع سہارنپور

حال

انسپکٹر محکمہ تعلیم صوبہ متحدہ آگرہ واودھ

یکم جنوری ۱۹۲۵ء

شاہ کبیر عرف کبیر داس

آدی گرنتھ[1] جو سکھوں (پیروان گرونانک) کی مقدس کتاب ہے اس میں شاہ کبیر کی زندگی اور اُن کی تعلیم کے مختصر حالات درج ہیں اور یہ اس لئے کہ باباؔ نانک کو ایک خاص تعلق شاہ کبیر کے ساتھ تہا۔ اور اس تعلق میں اس لئے اور بہی ترقی ہو گئی کہ گرونانک کو ان سے ذاتی ملاقات کا شرف حاصل ہو گیا تہا۔ موجودہ زمانہ میں جو لوگ مذہباً شاہ کبیر کے زیر اثر ہیں اُن کی تعداد کم نہیں۔ ۱۹۰۱ء کی رپورٹ مردم شماری میں علاوہ پنجاب کے دیگر صوبہ جات میں کبیر پنتھی تعداد ۸۴۳۱۷۱ تھی لیکن یہ تعداد صحیح نہیں معلوم ہوتی۔ شاہ کبیر کا اثر بہ حیثیت ایک مذہبی پیشوا کے بلاشبہ بہت زیادہ ہے۔ ان کو ہندی علم ادب (لٹریچر) کا بانی کہا جاتا ہے۔ اور اس میں شک نہیں کہ انہوں نے ہندی شاعری میں از سر نو جان ڈالدی۔ شاہ کبیر کے دوہے اب تک اکثر فقیر گلی کوچوں میں گاتے ہوئے نظر آتے ہیں۔ اُن کی کہاوتیں بحث مباحثہ میں بطور نظیر کے پیش کی جاتی ہیں اور اہل دل ان کو نہایت خشوع و خضوع کے ساتھ سُنتے ہیں۔ اُن کے اشعار اب بہی بنگال سے پنجاب تک زبان زد خلائق ہیں:۔

شاہ کبیر کی زندگی کے حالات قلمبند کرنیکے لئے پورا مسالہ[2] ملنا دشوار ہے

---

[1] आदि ग्रन्थ [2] ان کی مختصر لائف بہی خاکسار مولف رسالہ ہذا نے لکھی ہے۔ [3] رسالہ بہی لکہا جاتا ہے۔

اگر کوئی مؤلف اپنی معلومات کو صرف اُن روایات تک محدود رکھے جن میں تاریخ کی جھلک پائی جاتی ہے تو یہ بالکل پتہ نہیں چلتا کہ شاہ کبیر کب اور کس جگہ پیدا ہوئے - انہوں نے کہاں اور کب انتقال کیا - ان کا پیدائشی مذہب کیا تھا - انہوں نے شادی کی تھی یا مجرد رہے - اور کس زمانہ میں کہاں کہاں قیام کیا یہ صحیح ہے کہ شاہ کبیر کے نام سے بہت سے قصے مشہور کئے جاتے ہیں اور گو وہ کتنے ہی دل خوش کن ہوں لیکن اُنکے صحیح حالات پر روشنی نہیں ڈالتے سب سے زیادہ مصالحہ اُن کے حالات کا کبیر بیجک مطبوعہ نول کشور پریس - مئی ۱۸۹۸ء میں ملتا ہے یا کچھ جیون چرتر کبیر داس مطبوعہ نول کشور پریس ۱۹۰۳ء میں مگر غیر معتبر حالت میں -

کبیر پنتھی گروہ یہ قبول کرتا ہے کہ شاہ کبیر کی پرورش ایک مسلمان جولاہے کے گھر ہوئی جس کا نام نورا یا نیرو تھا - مولانا خدا بخش مارہروی لکھتے ہیں کہ جن تحریرات کے دیکھنے کا انہیں موقع ملا اُن میں شاہ کبیر کی ولادت کا کوئی حال درج نہیں - صرف ذیل کی دو روایتیں ہندوستان میں اُن کی پیدائش کی نسبت مشہور ہیں

پہلی روایت یہ ہے کہ اُن کی والدہ ایک بیوہ برہمنی تھی جو اپنے باپ کے ساتھ کسی مشہور رشی کے درشن کو گئی تھی - اس خوش اعتقادی کے صلہ میں رشی نے دعا کی کہ اس عورت کے ایک بیٹا پیدا ہو چنانچہ اُس مقدس شخص کی دعا قبول ہوئی اور شاہ کبیر اس عورت کے بطن سے پیدا ہوئے - لیکن ماں نے ناموس کے خوف سے کہ بن باپ[1] کے بچہ کیسے پیدا ہوا اُنکو

[1] ولادت حضرت عیسےٰ بھی بدون باپ کے ہوئی اور خدا تعالےٰ کے نزدیک یہ کوئی مشکل کام نہیں ہے -

باہر ہو کر آئی جس کو ایک جولاہی نے اٹھا لیا اور آغوش محبت میں لیکر متبنیٰ کر لیا۔

یہ واقعہ ایک دوسرے طریقہ سے بھی بیان کیا جاتا ہے۔ اور وہ یہ ہے کہ رامانند نے جو ایک مشہور ساد ہو تھے اُن کی ماں کو دعا دی تھی کہ بچہ ماں کے کف دست (ہتھیلی) سے پیدا ہو۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا۔ ماں نے بچہ کو لہارتا لاب کے وسط میں گل نیلوفر پہ بٹھا دیا تھا اور یہیں سے سماۃ نوماں زوجہ نورا نوربافت اپنے گھر لے گئی۔ کبیر پنتھی ہندو کبیر کا نام اسی واقعہ سے اخذ کرتے ہیں۔ اور کبیر کے لفظ کو کھینچ تان کر لفظ سنسکرت (کربیر) بتاتے ہیں کر بمعنی ہاتھ اور بیر بمعنی دیو۔

رامانند سادھو جس نے کبیر کی پیدائش کی دعا دی تھی اُن کے بارہ چیلے تھے جنمیں ایک کبیر کا بھی نام لیا جاتا ہے۔ کبیر کو اپنے گرد کی تعلیم کی شہرت بنگالہ میں دینے کا خوب موقعہ ملا۔ رامانند نے کوشش کی تھی کہ ہندوؤں کی متعدد ذاتوں کو ایک دھرم میں مجتمع کرے۔ لیکن کبیر نے جب دیکھا کہ علاوہ ہنود کے ہند میں اور لوگ بھی بستے ہیں تو پندرھویں صدی کے شروع میں اُس نے قصد کیا کہ ایک ایسا دین قائم کرنا چاہیے جس میں ہندو اور مسلمان دونوں شامل ہوں۔ کبیر پنتھوں کی کتابوں میں اس بات کا اقرار ہے کہ ہندو مسلمان کا خدا ایک ہی ہے اور اس کا نام شبد روپ ہے۔ ہندوؤں کے خدا کا گھر شہر بنارس اور مسلمانوں کے خدا کا مکہ ہے۔

رامانند کے چیلے ہونے سے پہلے کے حالات کبیر کی بابت معلوم نہیں ہوئے اور ہوئے تو بہت مختصر۔ رامانند ایسے متعصب ہندو تھے کہ مسلمان کا منہ نہیں دیکھتے تھے۔ سکندر لودی اُن سے ملنے گیا تو انہوں نے منہ پھیر کر بات کی اسکو غصہ آیا

اور تلوار سے دو ٹکڑے کر دیئے۔

عہد طفولیت سے اُن کے سر میں مذہب کا سودا ابھرا ہوا تھا۔ گو سوتیلے باپ نے اُن کی شادی بھی کر دی تھی جیسا کہ آگے چل کر ہم لکھیں گے۔ لیکن انہیں بیوی بچوں سے کچھ لگاؤ نہ تھا۔ وہ بنارس میں چکر لگایا کرتے تھے۔ ایک دن انہیں گھر پلٹنے کا خیال نہ رہا اور دریائے گنگا کے گھاٹ پر رات کو پڑ کر سو رہے۔ اتفاق سے راما نند مشہور واعظ اور عابد اشنان کے لئے آئے۔ اندھیرے میں کچھ اُن کو معلوم نہ ہوا۔ اور ان کا پاؤں کبیر کی چھاتی پر جا پڑا۔ جوں ہی انہیں انسانی جسم محسوس ہوا بے ساختہ منہ سے نکلا "رام رام"، کبیر کلبلا کر اٹھ بیٹھے اور کہنے لگے "آخر کار میں نے اُسے پا لیا"۔ راما نند کبیر کے بشرہ سے آثار سعادت پا کر اپنے ساتھ لے آئے اور وہ اُسی دن باضابطہ اُن کے مذہب میں داخل ہوئے۔ اس قصہ کو دوسری طرح بھی بیان کیا گیا ہے جیسا کہ متعصب مؤلف کبیر جیون چرتر نے لکھا ہے۔

یہ بتانا ذرا مشکل ہے کہ وہ کب تک اپنے گرو کی اطاعت میں ثابت قدم رہے۔ بظاہر مرشد کی وفات کے بعد انہوں نے اپنے مذہب کی اشاعت اور تلقین شروع کی۔ تھوڑے ہی عرصہ میں کبیر اپنے مرشد سے آگے بڑھ گئے اور اُن کا مذہب ہند کے موجودہ مذاہب کے مقابلہ میں بہت طاقتور ثابت ہوا۔ وہ ملک میں معرفت الٰہی کا گیت گاتے پھرتے تھے۔ ان کی نہ کوئی ذات و قوم و ملت تھی نہ وہ کوئی بت یا علم الاصنام (دیومالا) رکھتے تھے۔ وہ صاحب باطن اور عشق الٰہی کا راگ گانے والے تھے۔ انہوں نے مسئلہ صلح کل تعلیم کر کے بکمال جرأت کل مذاہب کو غیر ضروری ثابت کیا۔ ان کی ملت عشق الٰہی تھی۔

دوسری روایت ۔ جو اُن کی پیدائش کے متعلق بیان کی گئی ہے۔

حسب ذیل ہے۔ کبیر کسوٹی میں لکھا ہے جو ایک مذہبی رسالہ ہے وہ ۱۸۸۵ء میں بمقام بمبئی شائع ہوا۔ یہ رسالہ پانچ کبیر پنتھیوں کی متفقہ کوشش کا نتیجہ ہے جس میں نہ صرف مختلف کتابوں بلکہ زبانی روایات سے بھی بہت کچھ ماخوذ ہے عبارت یہ ہے سیوک[۱] ہوکر اوترا پرتھوی[۲] ماں ہے۔ یعنی کبیر آسمان سے اللہ تعالےٰ کا برگزیدہ بندہ ہوکر زمین پر اترا۔ کبیر کی پیدائش کے وقت عجب نظارہ تھا گل نیلوفر کھل رہے تھے۔ طاؤس لب آب رقص کر رہے تھے۔ لق لق[۳] تالاب پر قربان ہو رہے تھے۔ بجلی کی روشنی اور بادل کی گرج دلوں کو دہلا رہی تھی کہ وسط لہارتالاب میں گل نیلوفر کی پنکھڑیوں پر کبیر کا ظہور ہوا۔ نورا جولاہے کی نئی نویلی دلہن جو اپنے گھر سے رخصت ہوکر سسرال جا رہی تھی تشنہ دہن لب آب جا پہنچی بچے کو دیکھ کر خوف زدہ ہوگئی۔ اس کے دل میں طرح طرح کے خیالات موجزن تھے۔ اسکو خیال ہوا کہ یہ بچہ غالباً کسی نوجوان کم سن بیوہ حیا سوز کی زندہ شہادت ہے۔ نورا نے کہا کہ آؤ بچے کو اپنے گھر لے چلیں لیکن نوماں نے اس خوف سے کہ مبادا بعد میں کوئی فتنہ و فساد بپا ہو پہلے انکار کیا آخر بچے کی حالت زار پر رحم کھا کر راضی ہوگئی۔ گھر میں اسکو لیکر پہونچی تو عورتوں نے متعجب ہوکر پوچھنا شروع کیا نہ بچہ کس کا ہے اور تیرے ہاتھ کیونکر آیا۔ نوماں نے جواب دیا کہ میں نے یہ بچہ نہیں جنا مجھکو سر راہ ملا ہے یہ سنکر عورتوں نے کچھ کوئی سوال نہیں کیا۔ کبیر پنتھی جماعت کے مطابق کبیر کا سال پیدائش ۱۳۹۸ء اور سال وفات ۱۵۱۸ء ہے جس سے ان کی عمر ۱۲۰ سال کی ہونا پائی جاتی ہے۔

---

۱ خادم۔ ۲ صاحب عزت ۳ نام جانور

۴ بعض کی رائے میں پیدائش ۱۴۴۰ء بنارس یا اس کے کسی گاؤں میں ہوئی۔ ان کے ماں باپ مسلمان تھے دیکھو بستی گزٹ مورخہ یکم نومبر ۱۹۲۲ء

کبیر کی موجودگی سکندر لودی کے زمانے ۱۴۸۸ء میں پائی جاتی ہے

ضلع بنارس کے سرکاری گزیٹر میں لکھا ہے کہ شاہ کبیر مقام بلھارا یا بلھرہ جو ضلع اعظم گڈھ میں ایک موضع ہے پیدا ہوئے (مؤلف کی تحقیقات سے قیام ضلع اعظم گڈھ میں نام موضع بلھرہ پٹہ بیروزپور تحصیل محمد آباد پایا گیا) یہ بھی بیان کیا جاتا ہے کہ کبیر نے ایک عورت سے شادی کی تھی جس کا نام لوئی تھا اور اُسکے بطن سے دو بچے ایک لڑکا ایک لڑکی پیدا ہوئے۔ لڑکے کا نام کمال اور لڑکی کا کمالی تھا۔ لوئی کی شادی اور ان بچوں کی پیدائش کا طریقہ نہایت عجیب وغریب بیان کیا گیا ہے۔ شاہ کبیر کی ولادت سے زیادہ ان بچوں کی آفرینش حیرت انگیز ہے شاہ کبیر کو خدا نے ایک انوکھے طریقہ سے پیدا کیا لیکن یہ بچے بقضائے الٰہی فوت ہو گئے اور شاہ کبیر نے ان کو زندہ کیا۔ اِن کے واقعات اس طرح بیان کئے گئے ہیں۔

ایک روز شاہ کبیر گنگا کے کنارے ایک بن کنڈی بیراگی کے درشن کو گئے تھے کہ وہاں اُن کو ایک لڑکی ملی جس کی عمر تخمیناً بیس سال کی تھی۔ لڑکی نے کبیر سے ان کا نام دریافت کیا۔ شاہ کبیر نے کہا کبیر۔ پھر ان کی ذات اور بھیش دریافت کیا۔ شاہ کبیر نے پھر وہی جواب دیا کبیر۔ لڑکی نے اسپر اظہار تعجب کیا اور کہا کہ یہاں اکثر سادھو آتے ہیں لیکن اس قسم کا جواب آج تک کسی نے نہیں دیا۔

لڑکی سے جب اس کے حسب ونسب کی بابت دریافت کیا گیا تو اُس نے کہا کہ میرا نام

دئی ہے۔ ایک بن کنڈی بیراگی نے میری پرورش کی تھی جو اپنی زندگی صرف دودھ پر بسر کیا کرتا تھا۔ بیراگی کہا کرتا تھا کہ میں ایک روز دریا میں اشنان کر رہا تھا کہ ایک ٹوکری بہتی ہوئی میرے پاس آئی۔ میں نے اسکو کھول کر دیکھا تو اسمیں ایک نو مولود بچی ملی جس کو میں نے بتی سے دودھ پلا پلا اور پالا۔ یہ بچی کپڑے میں لپٹی ہوئی تھی۔ اسوجہ سے اس کا نام لوئی رکھا۔ لوئی نے کبیر کے جذبے کو دیکھکر کہا کہ سوامی جی مجھے راہِ حق کی تعلیم دیجئے۔ شاہ کبیر اسکی راست بازی سے خوش ہوئے اور کہا کہ ہمیشہ سہت[1] نام بھجا کر اور سادھوؤں کی خدمت کیا کر۔ اس حکم کی تعمیل کی غرض سے وہ شاہ کبیر کے ساتھ کاشی چلی گئی۔ نومان جولاہی کبیر کی پرورش کنندہ نے کہا کہ شاید کبیر اسکو بیوی بنا کر لایا ہے۔ بولی لے کبیر شادی کرنے سے کیا فائدہ جب تم مثل زن و شوہر کے بسر نہیں کرتے کبیر نے اسی لوئی سے شادی کرلی تھی۔ ایک دفعہ شاہ کبیر شیخ تقی کے ہمراہ گنگا کے کنارے چلے جارہے تھے کہ انہوں نے ایک بچے کی لاش بہتی ہوئی دیکھی۔ کبیر نے شیخ کے فرمانے پر بچے کے کان میں کچھ کہا اور وہ رونے لگا۔ اس بچے کو لوئی کی گود میں دیکھکر کبیر کو تحفہ سمجھتے تھے۔ کبیر نے اس بچے کے حسن و جمال کے لحاظ سے اس کا نام کمال رکھا۔ دوسری مرتبہ اس واقعہ کے تھوڑی مدت بعد اسکے ایک پڑوسی کی لڑکی مرگئی تھی کبیر اس مُردہ بچی کے والدین کی اجازت سے اپنے گھر لے آئے اور شبد[2] کے ذریعہ اسکو زندہ کیا۔ اس کا نام کمالی رکھا اور لوئی کو پرورش کرنے کیلئے سپرد کیا۔ یہ دونوں بچے شاہ کبیر کو سوامی جی کہتے تھے اور کار گھر میں کام کرتے تھے۔

کمالی کی عمر بیس سال کی تھی کہ وہ ایک روز کنوئیں پر پانی بھر رہی تھی۔ ایک تشنہ لب برہمن نے اس سے پانی لے کر پیا۔ اس کے بعد اُس نے لڑکی کی ذات پوچھی۔ جب برہمن کو معلوم ہوا کہ وہ ایک جولاہے کی لڑکی ہے تو برہمن نہایت ناخوش ہوا

[1] सत [2] شبد بمعنی کلمہ جو کبیر پنتھ میں رائج ہے

اور کہا کہ اے لڑکی تو نے مجھے بے دہرم کر دیا۔ کمالی اس کی ناخوشی پر نہایت متعجب ہوئی اور اسکو شاہ کبیر کے پاس لے گئی۔ شاہ کبیر نے اس راز سے واقف ہو کر کہا کہ پہلے تم یہ بتاؤ کہ ناپاکی کیا چیز ہے۔ مچھلیاں۔ کچھوے۔ خون۔ نمک۔ سڑے ہوئے پتے جانوروں کی لاشیں۔ یہ سب چیزیں پانی میں رہتی ہیں۔ زمین کے نیچے کروڑوں آدمی دفن ہیں۔ ہر قدم جو اٹھتا ہے کسی نہ کسی لاش پر پڑتا ہے۔ اور اس مٹی سے وہ برتن بنتے ہیں جن میں تم پانی پیتے ہو جب تم چوکے میں جاتے ہو تو چھوت کے خوف سے اپنے کپڑے اُتار کر ایک دہوتی باندھ لیتے ہو جسکو جولاہے بنتے ہیں۔ مکھیاں جو غلاظت پر بیٹھتی ہیں تمہارے کھانے پر آتی ہیں۔ آخر تم یہ سب باتیں کیونکر روک سکتے ہو۔ یہ توہمات خدا کیلئے دل سے نکالو۔ اور ویدوں کو پڑہو۔ پنڈت کی درخواست پر شاہ کبیر نے اسکو سہنہ نام کی تعلیم دی۔ اور کمالی کے ساتھ اسکی شادی کر دی۔

شاہ کبیر کی صداقت اور راستبازی خصوصاً ذات کے تفرقے کی مخالفت سے اُن کے بہت سے دشمن پیدا ہو گئے۔ ہندو اور مسلمان دونوں ان کے برخلاف تھے۔ اور سکندر لودی سے درخواست کی کہ یہ شخص خدائی کا مدعی ہے اور اس جرم کا مجرم قابل دار ہے۔ سکندر لودی کی عدالت سے کبیر کے نام وارنٹ گرفتاری جاری ہوا لیکن وہ دن بھر دربار شاہی میں حاضر نہیں ہوئے۔ شام کو جب آئے تو پوچھا گیا کہ تم نے حاضری میں اس قدر توقف کیوں کیا۔ جواب دیا کہ میں ایک تماشہ دیکھنے میں مصروف تھا۔ پھر دریافت کیا گیا کہ وہ تماشہ کیا تھا جس نے تم کو فرمان شاہی کی تعمیل سے باز رکھا۔ جواب دیا کہ میں اونٹوں کی قطار ایک ایسے راستے سے نکلتے دیکھ رہا تھا جو سوئی کے ناکے سے بھی زیادہ باریک تھا۔ بادشاہ نے اُسکے بیان کی تردید کی۔ شاہ کبیر نے کہا اے بادشاہ یہ امر قابل غور ہے کہ آسمان و زمین کے درمیان

کس قدر فاصلہ ہے اور بے شمار اونٹ اور ہاتھی روئے زمین پر موجود ہیں لیکن ہم ان کو اپنی آنکھ کی پتلی سے دیکھ سکتے ہیں جو سوئی کے ناکے سے بھی چھوٹی ہوتی ہے بادشاہ کی نیت ہوئی کہ ان کو رہا کردے لیکن لوگ جھنجلائے اور بادشاہ سے عرض کی کہ ہماری درخواست پر کچھ بھی لحاظ نہیں ہوا۔ شیخ تقی جو کہ ایک بزرگ اور مسلمانوں کے پیشوا تھے انہوں نے فرمایا کہ خدا اور رسول کے خلاف اس کا مسلک ہے۔ برہمنوں نے الگ ان کو بدھرم قرار دیا اور اس کے ثبوت میں یہ بحث پیش کی کہ انکا میل جول ایک بدنام عورت اور مرد چمار رے داس نامی سے ہے۔

بادشاہ عوام الناس کا جانب دار تھا شاہ کبیر کی سزائے موت کا حکم دیدیا۔ اُنکی ہلاکت کیلئے چند تدابیر عمل میں لائی گئیں لیکن بے سود ثابت ہوئیں۔ ایک مرتبہ کشتی میں غرق آب کئے گئے لیکن زندہ بہتے ہوئے نظر آئے۔ دوسری مرتبہ مکان میں زندہ جلایا گیا لیکن جب شعلے فرو ہوگئے تو وہ دوبارہ زندہ نکل آئے۔ تیسری مرتبہ ایک غضبناک ہاتھی کے پیر میں باندھنا تجویز ہوا لیکن ہاتھی ایک شیر کو (جو درمیان حائل ہوگیا تھا) دیکھکر خوف زدہ ہوگیا۔ اسکے بعد بادشاہ نے نادم ہوکر شاہ کبیر سے معافی چاہی اور کہا کہ جو سزا آپ تجویز فرمائیں میں اُس کے قابل ہوں۔ شاہ کبیر نے فرمایا جو اپنے لئے کانٹے بوئے اُس کے لئے پھول بونا چاہئے۔ شاہ کبیر کا علمی مذاق ان کی ہندی شاعری سے معلوم ہوتا ہے ہم ناظرین کی دلچسپی کے لئے شاہ کبیر کے بعض اشعار کی شرح کرنا مناسب خیال کرتے ہیں۔

بندو ناداکی۔ ناداہیں بند
ناداہیں بند ملے گو بند

بندو کے معنی خاموشی اور نادا کے معنی آواز کے ہیں اور آواز بھی وہ آواز جو بالکل

خاموشی اور تنہائی میں جبکہ انسان صدق دل سے مصروف بخدا ہو۔ ایسی حالت کو مسلمانوں میں مراقبہ اور ہندوؤں میں سمادھی یا دھیان گیان کہتے ہیں۔ ہندی زبان کا فاضل ہندو اور ناوا کے معنی دوسرے الفاظ میں چیت اور آنند بھی بتاتا ہے۔ اور کہتا ہے کہ جب انسان بالکل خاموشی اختیار کرکے اپنا چیت پرمیشور کی طرف لگاتا ہے تو بدھی اُس کے کانوں میں آنند کی شیریں سُریں ڈالتی ہے اور اس وقت پرم آتما کو پہچانتا ہے۔

اس مضمون کو ایک انگریزی شاعر بھی جو دریائے تصوف کا آشنا معلوم ہوتا ہے ذیل کے الفاظ میں ادا کرتا ہے۔ میرے آنکھ اور کان بند ہیں۔ تاریکی اور خاموشی کا سماں ہے لیکن ایک نہایت باریک اور شیریں سُریلی مگر بالکل صاف آواز آرہی ہے۔ ہا ہا میں تو بہرہ تھا مگر اب سب کچھ سُن رہا ہوں۔

ایک اچنبھا ایسا لیب
کرنی سے کارن مٹ گیا

کبیر صاف فرماتے ہیں کہ ہزارہا تجربات کئے ہیں مگر ایک تجربہ مجھکو سب سے عجیب حاصل ہوا وہ یہ ہے کہ کرنی انسان کو آیندہ کارنوں سے خلاصی دلادیتی ہے۔ کیونکہ ہر فعل کا کچھ نہ کچھ انجام ضرور ہوتا ہے خواہ نیک ہو یا بد۔ اگر وہ فعل اچھا ہے تو انسان کو فطرۃً خوشی محسوس ہوتی ہے اور اگر وہ فعل بد ہے تو انسان خواہ لوگوں کے دکھانے کیلئے خوشی منائے لیکن اندر سے اُس کا دل ضرور رنج محسوس کرتا ہے اسکو کرنی کہتے ہیں۔ اور بخیال اہل ہنود کرنی کا پھل دوسرے جنم میں ملتا ہے یعنی دوسرے جنم کا دارومدار اُس کے نیک و بد افعال پر ہوتا ہے اس مسئلہ کا نام تناسخ (آواگون) ہے۔ اگر فعل اچھے ہیں تو انسان کسی اچھی جون میں آئیگا اور اگر فعل بُرے ہیں تو کُتا، گدھا، سور یا کسی غلیظ جانور کا خلعت اختیار کرے گا۔ کبیر صاحب اس مسئلہ کو

مانتے ہوئے اختلاف رائے بھی رکھتے ہیں اور اُن کا خیال ہے کہ آواگون اُس وقت تک ہی محدود ہے۔ جب تک کہ انسان خدائے تعالیٰ سے الگ الگ پھرتا ہے لیکن جب وہ بالکل خدا کا ہو گیا تو اسکو نیک و بد کی تمیز جاتی رہی۔ اس کے تمام افعال مرجع بہ نیکی ہو جاتے ہیں۔ اِس لئے اسکو بار بار جون اختیار کرنے کی حاجت نہیں رہتی۔

تو جانے ہر دو رہے پہ ہر ہر دوے ما ہیں
اندر تیرے کپٹ ہے تا سے دیکھت ناہیں

لوگوں کا خیال ہے کہ خداوند کریم ہم سے بہت دور رہتا ہے۔ نہیں یہ خیال غلط ہے وہ تو ہماری دل میں ہے۔ وہ ہمکو اس لئے نظر نہیں آتا کہ ہمارے دلمیں خیالات بد بھرے ہوئے ہیں یہی خیال صوفیائے کرام اہل اسلام کا بھی ہے خدا شہرگ سے بھی قریب تر ہے اور مصداق نحن اقرب الیہ من حبل الورید لیکن اس کے دیکھنے کے لئے باطن صاف اور چشم بینا چاہیئے۔

یعنی آیا غیب سے اور وہاں لگائے عیب
اُلٹ سمادے غیب میں تو مٹ جائے سب عیب

کبیر صاحب فرماتے ہیں کہ انسان عالم ارواح سے عالم اجسام میں جب قفس روح میں گرفتار ہوا تو عالم ارواح کی تمام باتیں بھول گیا۔ یعنی وہ کہاں سے آیا اور کس لئے آیا ہے۔ در خاصہ دنیا پرست بن گیا لیکن اسکو کوشش کرنی چاہیئے کہ وہ الٹ سمادے غیب میں یعنی اسکو اپنے اصل مسکن کی تلاش میں مصروف ہونا چاہیئے۔ بلا اس مقصد کے حاصل ہوئے اسمیں جو دنیا پرستی کا داغ لگ گیا ہے مٹ نہیں سکتا۔

[illegible]
[illegible]
[illegible]

تت (راستی یعنی خداوند کریم) کی تلاش کیلئے استقلال اور صبر درکار ہے۔ اگر میں یہ کہدوں کہ تت تو ہمت ہیں پیشقدمی کرنے میں مل سکتا ہے تو اس سے میرا مرشد ناراض ہوتا ہے۔ اور اگر میں کہوں کہ کچھ نہ کرو مرشد خود ہی ایک دن تت کو ملا دیگا تو یہ محض جھوٹ ہے اس لئے میں کہتا ہوں تت کے پانے کے لئے مرشد کامل اور ریاضت دونوں کی ضرورت ہے

جوگی ڈوگمبر سے بڑا کپڑے رنگے لال سے

واقف نہیں اس رنگ سے کپڑا رنگی سی کیا ہوا

بعض خود مختار اور گندم نما جو فروش جوگی گیروے کپڑے پہنتے ہیں لیکن جب وہ رنگ کی اصلیت سے ہی ناواقف ہیں تو رنگے ہوئے کپڑے پہننا لاحاصل ہے۔ شاہ کبیر کے اس کلام کا مفہوم یہ ہے کہ زاہدانہ لباس زیب تن کرنے سے بے عمل انسان زاہد نہیں بن سکتا۔ ؎

ان خشک زاہدوں کو نہیں ... کا مزا

یہ شال پوش قدر نہ جانیں گلیم کی

چور اگر صوفیانہ لباس پہن بھی لیتا ہے تو گو وہ دنیا داروں کو کچھ عرصہ کے لئے دہوکہ میں رکھ سکے لیکن آخر ایک دن چور ثابت ہوگا۔ اگر کوئی رنگے ہوئے کپڑے پہنے تو اس کو چاہیئے کہ ان رنگ کے معنوں کو بھی سمجھ لے۔ اہل تصوف میں گیروا رنگ علامت ہے الفت ربی کی۔ زرد فراست و فہم کی۔ نیلا محو عبادت الہٰی کی۔ سبز تقلید خاندان نبوت کی۔ علیٰ ہذا القیاس دیگر رنگوں کے بھی جدا جدا مفہوم ہیں۔

پنچھی اڑا گگن کو پڑا ہا پردیشں

پانی پیئے چونچ بن بھول گیا وہ دیش

ایک پرند عالم بالا کی طرف سرگرم پرواز ہوا (روح آسمان کو جاتی ہے) لیکن

اس پرند کا سر نہیں ہے یعنی منزل مقصود تک پہنچنے کے لئے اس کا کوئی رہبر نہیں ہے نہ اس کا منہ ہے نہ آنکھیں نہ زبان نہ کان۔ لیکن بلا منہ وہ امرت جل (آبحیات) پیتا ہے (جسمانی زبان آبحیات کے پینے سے معذور ہے) جب وہ پرندا اپنے مسکن پر واپس پہنچگیا تو پردیش یعنی عالم ہستی کی تمام باتیں بھول گیا۔ کبیر صاحب فرماتے ہیں کہ ابدی عالم کو صرف روح جاتی ہے۔ وہاں پہونچنے کیلئے ذہن اور دہن اور دماغی طاقتوں کی بالکل ضرورت نہیں۔ ایک مقام پر شاہ کبیر کے ایک شعر سے بُت پرستی سے نفرت کا اظہار ہوتا ہے وہ فرماتے ہیں کہ ؎

پتھر پوجے ہر ملے تو ہم پوجیں پہاڑ
اس سے تو چکی بھلی کہ پیس کھائی سنسار

ایسے ہی ایک شعر میں حسرت و یاس کا اظہار کرتے ہیں کہ انسان اطمینان سے نہیں رہ سکتا۔ ؎

چلتی چاکی دیکھکر دیا کبیرا روے
دو پاٹن کے بیچ میں ثابت بچا نہ کوے

یعنی چلتی ہوئی چکی دیکھ کر بھگت کبیر رونے لگے اور کہا کہ دو پاٹوں میں آکر (مراد زمین و آسمان) کوئی ثابت نہیں رہ سکا۔ اسی طرح توکل کے متعلق فرماتے ہیں ؎

چاکی چاکی سب کہیں مانی کہے نہ کوئے
مانی سے جو لگ رہا بال نہ بیکا ہوئے

چکی چکی تو سب پکارتے ہیں مگر مانی (وہ میخ یا کیل جو چکی کے بیچ میں ہوتی ہے) اس کا کوئی نام نہیں لیتا۔ حالانکہ وہی میخ یا مرکز (مراد خدا) ایسا ہے کہ جو اس سے لگا رہتا ہے اس کا بال بیکا نہیں ہوتا اور درحقیقت وہی دانہ جو میخ کے قریب رہے یا اُس سے لگا رہے کبھی نہیں پستا۔

وحدت کے متعلق لکھتے ہیں ؎

اللہ اللہ جوں ایک ہی نیچ پڑا بیٹے وہو کہب

کہت کبیر سنو بھائی سادھو جاول کہو کہ پو کہہ

غرضکہ بہ کثرت[1] اشعار کبیر کے دیکھے گئے ہیں جن سے ان کا دھیان گیان، ورنو خدا سب معلوم ہوتا ہے۔ انہیں وجوہ سے معتقدان کبیر نے اِس امر کی کوشش کی کہ کبیر کو ایک سادھو کا جامہ پہنا دیا جاوے۔ اور ان کو سادھو بنانے کے لئے کبیر پنتھیوں نے عجیب خلاف عقل اور دور از کار روایتیں اُن کی ذات سے منسوب کردی ہیں۔ ابتدائے ولادت سے اُن کی زندگی کا ہر واقعہ نہایت عجیب وغریب پیرائے میں بیان کیا گیا ہے خود اُن کی پیدائش ہی ہندوؤں کے اوتار کی طرح ایک نرالے طریقہ سے ہوئی لیکن ہر واقعہ کو بہ نظر غور دیکھنا چاہیئے۔ آدی گرنتھ میں کبیر صاحب کا حسب ذیل مقولہ درج ہے۔ میرا جہ دریائے گومتی کے کنارے پر ہوتا ہے۔ جہاں میرے پیر و مرشد گیروا پوشاک زیب تن کئے ہوئے سکونت پذیر ہیں۔ بظاہر یہاں جونپور کا حوالہ دیا ہے جو دریائے گومتی کے کنارے پر واقع ہے۔ یہ شہر سلاطین شرقی کا پایہ تخت تھا جس میں ابراہیم شرقی علم وفضل کا بڑا قدردان اور مربی تھا جس کا زمانہ ۱۴۱۳ء سے متصل ہے یہ مقام نہ صرف علم کا مرکز تھا بلکہ بڑے بڑے صوفیائے کرام اور جید علماء کا قیام گاہ تھا لہذا یہ ثابت ہوتا ہے کہ شاہ کبیر کو ان میں سے کسی سے ارادت تھی لیکن اس سے بھی انکار نہیں کیا جا سکتا کہ کبیر کی تعلیم سے بہ کثرت مسلمان اور ہندو ناخوش بھی تھے ممکن ہے کہ سکندر لودی جب ۱۴۹۵ء میں جونپور آیا تھا تو دونوں فریقوں نے اس موقع کو غنیمت سمجھ کر اُن کی شکایت کی ہو اور اُن کی ہلاکت کے درپے ہوئے ہوں مسلمان حکمران صوفیائے اسلام کو مذہب کی تحقیق و تنقید میں بہت زیادہ آزادی دیتے

[1] آخر پر ہم چند اشعار کبیر صاحب کے ہدیہ ناظرین کرینگے۔

اس لئے ان کے دشمنوں کو اندیشہ تھا کہ مبادا ان کو معاف کردے۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا کہ بادشاہ نے ان کی جان بخشدی۔ البتہ اس قدر ضرور قرین قیاس ہے کہ کبیر اس واقعہ کے بعد شہر بدر کردیے گئے۔ تاکہ عوام الناس برانگیختہ نہ ہوں۔

محمد محسن فانی نے اپنی ایک فارسی تصنیف میں لکھا ہے کہ کبیر موحد تھے۔ وہ راہ حق کی جستجو میں صوفیائے کرام اور ہندو سادھوؤں سے اکثر ملا کرتے تھے۔ اسی کتاب سے ذیل کا قصہ ماخوذ ہے ایک روز چند برہمن گنگا کے پانی کے پاک ہونے کے اوصاف پر بحث کر رہے تھے کہ شاہ کبیر نے اپنے لکڑی کے پیالے میں پانی بھر کر اُن کو پینے کے لئے دیا۔ وہ ایک چھوٹی ذات کے آدمی کے برتن میں پانی پینے کے خیال سے پریشان ہوگئے۔ کبیر نے اس پر کہا کہ گنگا کا پانی اگر میرے پیالے کو پاک نہیں کرسکتا تو میرے معاصی کو کیونکر دھو سکتا ہے۔ ابوالفضل نے بھی اس بیان کی تائید کی ہے کہ کبیر قوم کا جولاہہ اور موحد تھا۔ کبیر کے جولاہہ ہونے کی بابت ہندوؤں کا یہ بیان ہے کہ کبیر پیدائشی ہندو تھے۔ انہوں نے صرف ایک مسلمان جولاہے کے گھر پرورش پائی تھی لیکن اس دعوے کا کوئی ثبوت نہیں ہے۔ ہم ایک اور بات پیش کرتے ہیں وہ یہ کہ۔ کل مولود یولد علی الفطرت الاسلام۔ یعنی مخلوقات انسانی کی پیدائش اسلام پر ہوتی ہے۔ پھر اس کے ماں باپ اسکو اپنا جیسا بنا لیتے ہیں اگر کبیر کی ہندو پیدائش ہی مان لی جاوے تو نشوونما مسلمان کے گھر ہونا دلیل ہے کہ وہ اسی جماعت سے ہیں اور اُن کا پیدائشی ہونا ان کے نام سے ظاہر ہے۔ کبیر لفظ عربی ہے اور ایک مسلمان گھرانے میں پیدا ہونے کی اس سے زیادہ اور کیا شہادت ہوسکتی ہے کہ کبیر نام عربی مادے سے ماخوذ ہے نیز کبیر صاحب کے موحد ہونے کی جابجا شہادت بھی ملتی ہے۔ مسلمانوں نے کسی زمانے میں بُت پرست کو لفظ موحد سے تعبیر نہیں کیا۔ ہنود کا یہ عقیدہ کہ موحد نہیں تھا

چند غلط فہمیوں پر مبنی ہے۔
اوّل تو یہ کہ مابعد زمانہ میں جو تعلیم کبیر پنتھوں نے پھیلائی اس کا ماخذ کبیر خیال کیا جاتا ہے۔
دوسرے یہ کہ بیجک (کتاب کبیر) کا ہر لفظ اس کے ذاتی عقائد کا عکس سمجھا جاتا ہے اور فی الحقیقت یہ دو بڑے وجوہ ہیں جن سے دہوکہ ہوتا ہے کہ کبیر ضرور ہندو تھے مگر ذرا سے غور کے بعد یہ سطحی تاریکی دور ہو جاتی ہے اور اصلیت کا انکشاف ہو جاتا ہے۔
مسلمان مصنفین نے لکھا ہے کہ مثل دیگر صوفیائے اسلام کے شاہ کبیر کا بھی عقد ہوا تھا اور جیسا کہ مسلمانوں میں دستور ہے اسکی زوجہ کا نام کہیں مذکور نہیں تھا اس لئے ہندوؤں نے اسکا ہندی نام گھڑا اور لوئی رکھا (یعنی اونی چادر) آدی گرنتھ میں بھی شادی ہونے کا ذکر آیا ہے یہ بھی بیان کیا گیا ہے کہ کبیر صاحب اولاد تھے۔ اُن کے ایک بیٹا تھا جس کا نام انہوں نے کمال رکھا۔ اب یہاں نام کی بابت پھر وقت پیش آتی ہے۔ اور جو لوگ کبیر کو ہندو سادہو بتاتے ہیں کیونکر اس مسئلے کو حل کر سکتے ہیں۔ کمال کو سنسکرت میں تبدیل کرنا غیر ممکن معلوم کر کے اسکو صرف ہندی کا جامہ پہنانے کی کوشش پر اکتفا کی ہے اور اسکو کمل بنایا ہے لیکن یہ تاویل نہایت بعید از فہم ہے ہندوؤں کی زبانی ایک گاؤں میں بولت کو یہ واقعہ کھلا کہ شاہ کبیر کا یہ مقولہ ہے۔

جو کبیر کاشی میں مرہیں رامے کون نہورا ہے

یعنی کبیر اگر کاشی میں مر جائیں گے تو وہ جنت میں ہی جائینگے اس لئے کہ کاشی بخیال اہل ہنود جنت ہے اسمیں خدائے تعالیٰ کی کیا عنایت ہے۔ اگر کہیں دوسری جگہ مریں اور کاشی میں پہنچ جائیں تو خدا کی مہربانی شمار ہو سکتی ہے۔ اِن کلمات شاہ کبیر کے بعد قدرت سے ایک گھوڑا آگیا وہ تمام شہر میں پھرا کہ کوئی اسپر سوار ہو جائے مگر کوئی سوار نہ ہو سکا جب کبیر کے نزدیک آیا تو انہوں نے کہا ہم کو اسپر چڑھا دو مشہور ہے کہ کبیر نے اپنے ہاتھ پاؤں اس امید پر کٹوا دئے تھے تا کہ میں کاشی سے کہیں نہ

جا سکوں اور دوسری جگہ نہ مروں تو سید صاحب نے کو روانہ ہوں جو اسی مقام پر ہے لیکن گھوڑا کبیر کو لیکر چلا یا اور مگھر[1] ضلع گورکھپور میں جا کر گرا دیا۔ اس لئے کبیر کے حالات وفات سے متعلق کہتے ہیں کہ اُن کی زندگی کا خاتمہ مذکورہ بالا مقام پر ہوا۔ اس مقام مدفن کو ہم نے بچشم خود جا کر دیکھا۔ ریلوے اسٹیشن مگھر سے قریب آدھ میل ہے راستہ صاف نہیں ہے۔ مزار ایک پختہ چہار دیواری سے محدود ہے جس کے دو دروازے ہیں۔ احاطہ کے اندر چند مکانات شاگردپیشوں کے سے بنے ہوئے ہیں جو اب غیر آباد ہیں۔ ان مکانات میں چند نشانات قبروں کے بھی پائے جاتے ہیں کہتے ہیں کہ فرضی طور سے بنا دئیے گئے ہیں۔ دراصل کوئی مردہ مدفون نہیں ہے۔ دو درخت زبردست املی کے کھڑے ہوئے مزار پر سایہ افگن ہیں۔ دو گانوں شاہی دنت سے معافی مزار کے متعلق ہیں ایک موضع معافی مسلمانوں کے اہتمام وصول تحصیل میں ہے۔ دوسرا موضع بلوا ہندوؤں کے متعلق معافی ہے۔ اطیع اللہ و امانت اللہ مجاورِ مزار کے ہیں۔ یہی لوگ صادر وارد کی خبر گیری کرتے نظر آتے ہیں ہم جب احاطہ مزار میں داخل ہوئے اطیع اللہ گانوں سے پاس ہی ہے دوڑا ہوا آیا اور خاطر تواضع سے پیش آیا۔ میرے ملازم سراجو کو ناشتہ کھلایا۔

مزار کے برابر ایک دوسرا احاطہ بطور شادھ[2] کے بنا ہوا ہے جس میں ایک مستقل سادھو رہتا ہے۔ جو تحائف یا پرشاد ہندو لاتے ہیں اس کے پاس جمع ہوتے ہیں۔ ہم کو بھی اس ہندو سادھو نے جس کا نام گیا داس ہے تھوڑی سی مٹھائی دی جو بطور تبرک کے تھی۔

مزار سے قدمبوس ہوتی ہوئی آمی ندی بہتی ہے جہاں برسات میں لطف نظارہ ملتا ہے۔ افسوس کہ مزار کے متصل ایک مسجد بھی غیر آباد پورانی عمارت کی موجود ہے۔

---

[1] اب مگھر ضلع بستی میں منتقل کر دیا گیا۔ [2] اس کا نام چرن پادُکا ہے۔

اس کو کبیر کی مسجد کے نام سے موسوم کرتے ہیں۔ اس سے بھی کبیر کا مسلمان ہونا پایا جاتا ہے ۱۸ ماہ ربیع الثانی کو عرس ہوتا ہے۔ گورنمنٹ صوبہ متحدہ نے بھی اپنی چٹھی نمبری ۱۰۴۲/۱-۱۳ مورخہ ۲۷ اپریل ۱۹۲۲ء میں بعطیہ ۸ ماہوار سالانہ روشنی روضہ شاہ کبیر کے لئے منظور فرمائے ہیں۔ ایسے ہی ایک میلہ ہندوؤں کی جانب سے ہوتا ہے دور دور سے لوگ ہندو مسلمان آتے ہیں۔ دونوں مدفن برابر بنے ہوئے ہیں احاطے جدا جدا ہیں۔ ہندو کہتے ہیں کہ یہ مقام ہے جہاں اُن کے پھول دفن کر دیے گئے یا وہ غائب ہو گئے۔ مسلمان اپنے مزار کو مقام مدفن قرار دیتے ہیں غرضکہ اپنے اپنے خیال سے کام لے رہے ہیں۔ دونوں دیہات کی معافیات سے خود بھی کھاتے پیتے ہیں۔ اور رعادِ روا رد کی بھی خاطر تواضع کرتے ہیں۔

مگہر گانوں ہے مختصر یہاں کا ایک کپڑا اسھن نامی مشہور ہے۔ اعلیٰ درجہ کا تھان آٹھ دس روپے کو آتا ہے جس کے بڑے بڑے درجہ والے آدمی کوٹ پتلون بناتے ہیں۔ کہتے ہیں کہ شاہ کبیر کے انتقال کے بعد مسلمان اور ہنود میں یہ بحث پیش آئی کہ آیا شاہ کبیر کو جلایا جائے یا دفن کیا جائے اس کا تصفیہ عجیب و غریب طریقے سے ہوا دوران بحث میں شاہ کبیر خود ظاہر ہوئے اور انہوں نے ہدایت کی کہ کفن اٹھایا جائے۔ کفن اُٹھا کر دیکھا گیا تو بجز چند پھولوں کے اور کچھ نہ تھا کچھ پھول ہندوؤں کے سرگروہ راجا بیر سنگھ بگھیل یہ کہکر بنارس لے گئے کہ ہمارے ست گرو تھے ہم ان کا کریاکرم کرینگے اور ان کو وہاں پر جلایا اور خاکستر پر ایک مٹھ بنوا دیا جو کبیر چورا کے نام سے مشہور اور کبیر پنتھیوں کی جاترا کا مقام ہے۔ کچھ پھول بزلی خاں[1] مسلمان نے بچا کر مگہر میں جو ضلع گورکھپور میں ہے دفن کر دئے اور وہاں ایک مقبرہ جس کا ذکر ہم کر چکے ہیں تعمیر کرایا کیونکہ کبیر کی وفات اسی مقام پر ہوتا

---

[1] ایک کتاب میں بجلی خاں نام تحریر ہے ممکن ہے کہ بزلی خاں بگڑ کر بجلی خاں ہو گیا ہو۔

بیان کی گئی ہے۔ کبیر کی بزرگی کا اندازہ اس سے ہو سکتا ہے کہ دو مختلف مذاہب کے لوگوں نے اس طرح الوہیت کا مرتبہ دیا اور عرفی شیرازی کے قول کو چسپاں کر دیا ؎

چناں با نیک و بد عرفی بسر کن تا پس از مردن ✤ مسلمانت بزمزم شوید و ہندو بسوزاند

ایسے ہی حضرت خواجہ معروف کرخی ؒ کے متعلق تذکرۃ الصالحین میں جنازے پر جھگڑا ہونا لکھا ہے یعنی آپ کی وفات پر ایک عجیب اختلاف پیدا ہو گیا۔ یہودی کہتے تھے ہم اپنے رسوم کے مطابق دفن کرینگے۔ عیسائی کہتے تھے ان کا جنازہ ہم اٹھائیں گے۔ اہل اسلام کہتے تھے کہ انکا خاتمہ اسلام پر ہوا ہے ہم تجہیز و تکفین کرینگے۔ خادم خاص نے کہا مرحوم کی وصیت تھی کہ جو فرقہ میرے جنازے کو اٹھالے وہی تجہیز و تکفین کرے چنانچہ جنازہ سب قوم کے لوگوں نے اٹھایا لیکن سوائے مسلمانوں کے کوئی کامیاب نہ ہو سکا۔ آخر بطریق اسلام دفن کئے گئے۔

کبیر کے مسلمان ہونے کا ثبوت اس روایت سے بھی ملتا ہے کہ شیخ تقی ایک مسلمان بزرگ تھے جو خاندان سہروردیہ میں ایک عابد زاہد مانے گئے ہیں۔ یہ بزرگ جھوسی ضلع الہ آباد میں قیام پذیر تھے اور سنہ ۱۴۴۵ء مطابق سنہ ۸۵۰ھ میں ان کا وصال ہوا اور جھوسی ہی میں ان کا مزار ہے۔ شاہ کبیر کو ان بزرگ کے ساتھ مریدانہ[1] نسبت تھی۔ ایک روز کبیر گرسنہ اپنے پیر و مرشد کے پاس پہنچے اور کھانا مانگا آپ نے تھوڑا سا ساگ پات اور مٹھا چھاچھ کھانے کو دیا۔ شاہ کبیر نے اس کھانے کو اس موقع کے لئے نہایت ناکافی خیال کیا اور کہا ؎

ساگ پات جو وانی مٹھا ✤ ہم پیر کے یہ ہی ہاٹا

---

[1] لیکن ایک ہندو مؤلف رسالہ جیون چرتر کبیر صاحب مطبوعہ مطبع نول کشور ۱۹۰۳ء منشی ... صفحہ ۸۴ حالانکہ اس کے خلاف ہو وہ اگر شیخ تقی کو کبیر صاحب کا پیر ہونا بیان کرتے تھے مگر یہ نقلی غلط ہے اس لئے کہ کتاب جیون چرتر مذکور کے صفحہ ۸۰ پر کبیر صاحب نے ایک ... ایک معتقد کو بتایا ہے کہ اپنے کو مسلمان ہونا تسلیم کیا ہے اور ... اس مضمون کو ظاہر کیا ہے کہ میرے معتقد ہو میں بوجہ میرے مسلمان سمجھ جانے کے آپ لوگ نہیں آئے۔

شیخ اس اظہار ناشکری پر ناخوش ہوئے اور فرمایا ؎

یہ چھوڑا اور کیا کھائے ماٹی

تر ہ اوپر پڑے چو ماس کی ٹاٹی

شاہ کبیر کہتے ہیں کہ تسبیح کا دانہ شمار کر کے عمر گزاری مگر دل کی عظمت دور نہ ہوئی اس لئے تسبیح کے دانہ شمار کرنے سے صفائی قلب پیدا کرنا بہتر ہے۔

اگر دومن گنڈے چھترے لادکر ہردوار گئے اور مختلف مقامات کی جاترا کی مگر جب تک دل عشق الٰہی سے روشن نہ ہو جاترا کرنا لاحاصل ہے۔ کعبہ جاکر سجدہ کیا مگر جب تک مکروز در دور ہوکر دل میں عشق الٰہی پیدا نہ ہو حج کا کچھ ثواب نہیں ملتا۔ میں اپنے محبوب (خدا) کے کلام کا عاشق ہوں۔ اس کے سوا اور کسی طرح میرے دل کو تسکین نہیں ہو سکتی۔ اگر مچھلی پکڑ کر سونے کے گہوارہ میں رکھیں اور آبحیات اُسے پلائیں تاہم یقیناً وہ تھوڑی دیر میں مر جائے گی۔

پس جس کے دل میں عشق الٰہی پیدا ہو گیا ہے وہی خدا کو پا سکتا ہے۔

شاہ کبیر کی مناسبت ہندی شاعری سے بخوبی پائی جاتی ہے۔ ہم ان کی شاعری کے چند نمونے پہلے دکھا چکے ہیں (جیسا کہ ہم نے وعدہ کیا تھا) یہاں بھی دکھلاتے ہیں۔ مولانا روم کا شعر ہے ؎

چشم بند و گوش بند و لب بہ بند ۔۔۔ گر نہ بینی سر حق بر من بہ خند

یہی مضمون کبیر صاحب یوں ادا کرتے ہیں ؎ دیکھ ری[1] دیکھ تجھ میں تیرا دھنی دم کو روک دیدار پاوے * دم کو روک اور دل کو بند کر چاند[2] سورج[3] گھر ایک آوے۔

---

[1] یعنی دیکھ اپنے آپ میں اپنے مالک کو اس ترکیب سے کہ دم اور مقعد کو بند کرتا کہ سورا نہائے ناک سے سانس برابر چلنے لگے اور سانس کو ناف کنول سے کھینچ کر سر کنول پر ایسی ضرب لگاؤ کہ جیسے بھونرا گونجتا ہے تاکہ ذات الٰہی کا ظہور ہو۔ یہ راہ سلوک ہی اور توحید کے میدان میں جانا مردوں کا کام ہے۔

[2] چاند سے مراد ناک کا بایاں نتھنا ہے۔ [3] سورج سے مراد دایاں نتھنا ہے۔

باہلہ[1] کے سانس سے منتر جپ جپ کرے اور کنول کی کلی پر بھنور چھاوے :: کہیں کبیر اگم کی پیڑیاں
سن[2] کی سیج کوئی سنتھ جاوے -

یہ ایک شغل ذکر الٰہی ہے - اسی باب میں شاہ کبیر کے بیٹے شاہ کمال یوں لکھتے ہیں ؎

آنکھ ناک منہ ڈھانپ کے نام نرنجن لے　　اندر کے پٹ جد کھلیں جد باہر کے پٹ دے

کبیر کہتے ہیں -

راجہ دکھیا پرجا دکھیا جوگی کو دکھ دونا ری　　کہے کبیر سنو بھائی سادھو کوئی مندر نہیں سوناری

ایک روز مہاراج کبیر کے گھر چند سادھو مہمان آئے - اتفاقاً کچھ سامان کھانے پینے کا نہ تھا - اپنی
بیوی سے کہا کہ اب کیا علاج - اس نے کہا ایک بقال مجھ پر عاشق ہے اگر کہو تو اس سے کچھ سودا لے
آؤں - کہا کہ اچھا شکار کرو ؎

چوں سلاحت ہست رو صیدے بگیر　　تا بدو شاہیم از صید سے تو سشیر
قوس ابرو تیر غمزہ دام کید　　ہر چہ دادت خدا از بہر صید
نیپے مرغ شکر فی دام نہ　　دانہ بنما لیک در خوردش مدہ
کام بنما و کن او را تلخ کام　　کے خورد دانہ چو شد محبوس دام

کبیر کی بیوی جو نہایت حسین تھی بقال کی دوکان پر گئی اور کہا کہ مہمانوں کے لئے اتنا سامان
مطلوب ہے - بقال نے کہا کہ اس شرط پر دیتا ہوں کہ تو رات کو میرے پاس رہ سکے یہ اقرار کر کے
سودا لے آئی اور مہمانوں کو پکا کر کھلا دیا جب رات زیادہ گئی تو کبیر نے کہا کہ لو اب کپڑے بدلو اور زیور
پہنو دیکھو تو اس بنئے کی کیا گت بنتی ہے سنگار کرا اپنی پیٹھ پر چڑھا لالہ کے دروازے پر جا اتارا - بنیا دیکھکر
بہت خوش ہوا اور چونکہ بارش اور کیچڑ ہو رہی تھی اس نے پوچھا کہ تمہاری جوتیاں کیوں صاف ہیں

[1] ناف　[2] نقطہ موہوم

ذرا کچھ نہیں لگی۔ جواب دیا کہ کبیر نے کمر پر سوار کر کے مجھ بلایا ہے۔ یہ بات سنتے ہی بیٹے کی حالت بدل گئی قصور معاف کرایا اور کہا کہ یہ تو میری ماں کی جگہ ہے۔ غرض کبیر نے بقال کو تعلیم کی اور آٹے دال کا بھاؤ سب بھلا دیا۔ (کبیر کہتے ہیں) سه

بجیں[1] جو جھاؤ سُن کے اور سنے سو گڈ بد ہوئی + بینے سرتا پچ رہے کچھ نہ نکسا کوئی
دریں ورطہ کشتی فرو شد ہزار + کہ پیدا نہ شد تختہ بر کنار

پھر کہتے ہیں۔ سه

چندا[2] جھلکے سب گھٹ مائیں اندھری آنکھ کو دیکھت ناہیں
اب[3] جب تپ کون کرے موئے بھائی بھولے مایا گھٹ میں پائی
بھلا[4] میں دیکھا ست گر سنتو سپاہی رام نام کا پٹا لکھ دی آپ ہی جاگیر پائی
سرت[5] سینکہڑی ساج سمجھ کا تن کی تیک بنائی جوگ جاگی بدہ کا مندرا پریت پیالی پی آئی
ست[6] کا سیل جگت کا جمدہر جھاڈ ہال ڈہل کا ہی
موہ موہ چھ پہلے مارا و یدا مار ہٹائی

---

[1] لڑائی کے نقارے بج رہے ہیں جو سنتا ہے وہی مست ہو جاتا ہے۔ بہت بہادر اس جنگ میں کھو گئے اور ایک بھی باہر نہیں نکلا
[2] چاند کی روشنی سب جگہ موجود ہے لیکن اندھی آنکھ کو کچھ نظر نہیں آتا۔
[3] اب کون عبادت میں محنت کرے جب کھوئی نعمت اور مال اپنے ہی میں مل گیا۔
[4] یعنی میرے پیر پورے سپاہی ہیں خدا کے نام کا پروانہ لکھکر ابھی جاگیر دلوائی
[5] اور یہ ہتیار عنایت کئے ہیں۔ چالاکی سینکہڑی یعنی کپتی بارود کی اور سارا سامان سمجھ کا اور تن کی بندوق اور فقر کی جاگی جو دیسی بندوقوں میں ہوتی ہے جسکو توڑا کہتے ہیں اور عقل کا مندرا جس پر جاگی لگائی جاتی ہے اور اس میں محبت کا پیالہ ہے۔
[6] صلاحیت یعنی حق پرستی ہونے کا نیزہ اور محنت کی تلوار صبر کی ڈہال دیئے ان ہتیاروں سے کیا کام کیا۔ اول تو مود چھ ماسوا اللہ کا ماریا اور شک کہمار کر مٹا دیا۔

آپا[1] جگت سب ہو گئے مرپڑ بن — کہہ ہت کے کاٹ کہ سو ہوئے بھوپا
پانچوں[2] پکڑی کام دھام ہتی منت پائی — داس کبیر نے گڑھ اوپر اجی نشا کھرائی

کبیر کہتے ہیں

آئے پیچھے مت ملو کہے کبیرا رام — لوہا نی ہو گیا پھر پارس کس کام
بھوگ بھوجن ملے اور جاڑا گئے تباہے — جوبن گئے تریا ملی جو تینوں دیو چرائے

کبیر کہتے ہیں

مسی[3] یک جو انگ انیک ہوا بن بن سب ہن کا روپ ہے جی
بے[4] مات کوئی سنگ مات ہے مس سب ہی میں تد روپ ہے جی
ایسے[5] کہاں پر دن چہ نند تو میں چدانند دیکھ سب ٹھور ہے جی
کبیر[6] بیک سے جان لیجے نام روپ تو من کا ڈور ہے جی

---

[1] پھر اپنے آپ کو ماردیا جب اپنے آپ کو مار لیا تو سارا جہان مارا گیا اور ایک تلوار میں راکھ کام بھی تمام کردیا اور انانیت کی گردن کاٹ کے اب ہم ہوئے سپاہی۔
[2] پانچوں یعنی حواس خمسہ جو دشمن تھے ان کو بھی پکڑ لیا اور نزاہشیں جو قوت دشمن تھیں ان کو بھی گرفتار کرلیا۔ اب کبیر داس نے قلعہ کے نشان کو پھرایا ہے
[3] یعنی سیاہی ایک ہے اور حروف مختلف اور ہر ایک کی صورت جدا جدا ہے۔
[4] کوئی حرف بغیر حرکت کے ہے اور کوئی حرکت والا لیکن سیاہی سب میں برابر ہے۔
[5] اس چار طرح کی پیدائش میں یعنی اول انڈج جو بیضہ سے جانور پیدا ہوتے ہیں۔ دوم جرج جو مشیمہ سے پیدا ہوتے ہیں سوم اُدبج یعنی حشرات الارض چہارم سیدج یعنی جو پانی میں پیدا ہوتے ہیں ذات سب میں ایک ہے۔
[6] اے کبیر عقل سے دریافت کرے کہ یہ تو اختلاف صورت سے نام ہر شے کا جدا جدا مقرر ہوا یہ فقط دل کی بناوٹ ہے ورنہ ذات الٰہی سب میں یکساں ہے جس میں کچھ کمی و بیشی نہیں۔

کبیر دوہا کہتے ہیں۔

کبرا ماکھن کھا گیو چھاچھ پیے سنسار　　　تن مٹکے ہی من دہی سرت بلوون ہار

یعنی کمال معرفت کبیر کو حاصل ہوگیا۔ اس کے جواب میں کمال ابن کبیر نے ایک دوہا کہا اور باپ کو ہوشیار کیا کہ یہ آپکا وہم ہے بطون کسی پر ختم نہیں ہو سکتا ؎

مصری کا پربت بہیو اور چیونٹی نکسی آئے　　　آن مکہہ اپنا پھیر ہیو پربت کا کیا جائے

یہ بات سنکر کبیر صاحب چونکے اور ہوش میں آئے کہ حقیقت میں دہوکا ہوا کمال نے خوب سمجھائی۔ قال اللہ لَوْ كَانَ الْبَحْرُ مِدَادًا لِّكَلِمَاتِ رَبِّي لَنَفِدَ الْبَحْرُ قَبْلَ أَن تَنفَدَ كَلِمَاتُ رَبِّي وَلَوْ جِئْنَا بِمِثْلِهِ مَدَدًا[1]

آن چو خورشید است اینہا ذرہ ایست　　　علمہا از بحر علمش قطرہ ایست

پیش علم کاملش ناداں بود　　　گر کسے در علم صد لقماں بود

شاہ کبیر بڑے موحد تھے جب ان کی توحید کا شہرہ ریداس تک پہونچا تو اس نے یہ شعر لکہا کیونکہ ریداس سرگنی تھا یعنی اہل صفات اور کبیر نرگنی اہل ذات تھے ؎

[2]نرگنی باپ جولہے پوت بھئے برہم گیانی　　　آوانت کی جانے ناہیں اپنے من کی ٹھانی

جولے تھیں نین ہت موری رسے

اس کے جواب میں شاہ کبیر نے کہا۔

---

[1] کہدو اے محمدؐ اگر ہو جائے پانی دریاؤں کا سیاہی واسطے لکھنے آیات اور انعام پروردگار میرے کے البتہ خشک ہو جائینگے دریا پہلے اس سے کہ ختم ہوں لکھے میرے پروردگار کے علوم میں سے اور اگر آئیں ایسے کروڑہا سمندر بامداد اس سیاہی کے۔

[2] ہاں غیر قوم اور باپ جولاہہ اور بیٹے ہوئے صاحب معرفت آگے پیچھے کی خبر نہیں اپنے دل میں ٹھان لی کہ میں عارف ہوں۔ اے جولاہے اگر تو میرے سامنے ہوتا تو میں تجھکو سمجھا دیتا۔

برہم گیان بن برہم نت بن کایا شدہ نہوئے پورن برہم سکل گھٹ بیاپک دوجے اور نہ کوی[1]
چھری نہیں نین ہمت موری رے

آخرایک روز ملاقات ہوگئی اور باہم گیان چرچا کی ٹھہری۔ کبیر نے کہاکہ میری بھگتی اچھی ہے ریداس نے دعویٰ کیا کہ میری۔ اب فیصلہ ہو توکیونکر ہو۔ ریداس نے رام چندرجی کو یاد کیا۔ فوراً گھوڑے پر سوار ہوکر دھنش بان یعنی تیرکمان ہاتھ میں لئے آموجود ہوئے اور کہاکہ اے کبیر ریداس کو کیوں نہیں مانتا اسی کی بھگتی اچھی ہے۔ کبیر نے کہاکہ مہاراج آپ سیتاجی کی ٹہوالی کریں اس معاملہ میں دخل نہ دیں۔ گفتگو میری اس کی ہے ہم دونوں بھگت لیں گے۔ وہ چپ چاپ الگ کھڑے ہو گئے۔ تب ریداس نے کرشن جی کو یاد کیا۔ وہ بھی گرڑ پر سوار سر پر مکٹ لگائے مرلی دھرے سامنے آگئے اور کبیر کو سمجھایا۔ اس نے کہاکہ مہاراج آپ گوپیوں سے کلول کیجئے میرا اور اس کا جھگڑا باہمی چک جائے گا۔ وہ بھی الگ ہوگئے پھر اس نے مہادیو کا دھیان کیا فوراً بیل پر سوار ترسول ہاتھ میں لیکر آئے اور درشن ہوئے۔ شاہ کبیر نے ان کا کہنا بھی نہ مانا۔ اور کہہ کہ مہاراج تم پاربتی جی کے پاس جاؤ اسکی خیر مناؤ۔ اس بات سے تم کو کیا مطلب۔ مہادیوجی کو غصہ آیا اور کبیر کے مارنے کو ترسول اٹھایا۔ کبیر رم یعنی لا کہکر غائب ہوگئے۔ اسوقت ریداس کے تمام دیوتا بولے کہ اس دریائے توحید میں جہاں کبیر نے غوطہ لگایا ہے ہم اور وہ سب برابر ہیں۔ یہاں ہمارا بھی کچھ بس نہیں چلتا۔

ریداس نے کہاکہ مہاراج میں نے جب اتنی مدت تمہاری سیوا کی اور پوجا کرتا رہا اور اس وقت کچھ نہ ہوسکا تو آیندہ آپ لوگوں سے کیا توقع ہوسکتی ہے۔

---

[1] یعنی بغیر معرفت خدا اور نفس کے جسم صاف نہیں ہوتا۔ وہ ذات نام شے میں سمائی ہوئی ہے۔ سوائے اسکے دوسرا کچھ نہیں سارے جہان اگر تو میرے سامنے ہوتا تو میں تجھکو سمجھا دیتا۔

بس میرا سلام ہے۔ اس کے بعد ریداس نے سب سے مفارقت کی۔ اور مسلک توحید اختیار کیا اور کبیر کا چیلہ ہو گیا۔ ؎

ٹھاکر چھمر مالا لگو تیرتھ ہیں سب پانی ۔ راما کرشنا مر گئے دیکھے چاروں وید کہانی

راما گئے کرشنا مر گئے مر گئی لکھو بائی ۔ اسکو ساد ہو کیوں نہیں پوجے جسکو موت نہ آئی

دل گفت مرا علم لدنی ہوس است ۔ تعلیمے کن اگر ترا دسترس است

گفتم کہ الف گفت دگر گفتم ہیچ ۔ در خانہ اگر کسے ست یک حرف بس است

کبیر کہتے ہیں۔

جا کی[1] جیسی سبھاؤ جائے نہ جی سے ۔ نیم نہ میٹھی ہوئے سینچے گڑ گھی سے

جیسی[2] کرنی دیو کو دیسی اپجے بدھ ۔ ہونہار ہردے بسے بسر جات سب سدھ

چوتھے[3] کھنڈ پڑھ کرے جو باسا ۔ مرن جیون کا رہے نہ سانسا

ہد بد[4] کرتے سب گیو اور انہد گیو نہ کوئے ۔ انہد کے میدان میں رہتے کبیرا سوئے

انہد باجے باجن لاگے ۔ چورنگر یا[5] تج تج بھاگے

چونکہ شاہ کبیر کو موحد کہا جاتا ہے مناسب معلوم ہوتا ہے کہ ہم اس مقام پر توحید کو بتائیں کہ وہ کیا شئے ہے۔ اگرچہ یہ مسئلہ نازک ہے لیکن رسالہ ہذا کیلئے ضروری معلوم ہوتا ہے

---

[1] جس کی جیسی عادت ہو ہرگز نہیں جاتی۔ درخت نیم کا میٹھا نہیں ہوتا اگرچہ گڑ گھی سے پرورش پاوے۔
[2] جو کام کہ کرنا منظور ہوتا ہے انسان کی سمجھ بھی ویسی ہی کر دیتا ہے۔ ہونے والا کام دل میں بس جاتا ہے اور ... وحواس جاتے رہتے ہیں۔
[3] ... چوتھے کھنڈ سے مراد منزل توحید ہے یعنی جو شخص توحید میں قیام کرتا ہے اس کو موت حیات کا خوف نہیں رہتا۔
[4] ہد بد سے مقام محدود اور انہد سے مقام غیر محدود مراد توحید سے ہے یعنی سب لوگ مقام محدود میں رہے اور پھر ... توحید ... میں پہونچا۔
[5] جب ... توحید میں آواز انہد کی نکلتی ہے تو سب چور کی طرح بھاگ جاتے ہیں۔

توحید

یہ ایک ایسا مسئلہ ہے جو کبھی نسخ پذیر نہیں۔ ہر ایک دین وملت میں اس کی شہادت موجود ہے۔ کوئی قوم پردۂ زمین پر ایسی نہیں کہ خدا کی وحدانیت تسلیم کرنے والی نہ ہو انبیاء اولیاء اور رہادیان راہ خدا خواہ کسی سرزمین اور کسی زمانہ میں ہوئے ان کی تعلیم اور تلقین کی بنیاد اسی لازوال مسئلے پر ہے اور مذہب اسلام کا تو یہ مسئلہ رکن اور کلید ہے یہی معلومات ظاہر کا قبلہ اور یہی مکشوفات باطن کا کعبہ ہے یہی شریعت اور طریقت اسلامی کی جان۔ یہی حقیقت ومعرفت کی نردبان ہے۔ یہی جملہ طاعات کا راس اور یہی حکمت کی اساس ہے طبعی ریاضی۔ الٰہی سب کے سلسلے اسی پاک مسئلہ سے شروع اور اسی پر ختم ہوتے ہیں۔ اس کی تصدیق دعوتِ عام ہے اور اسی کی تحقیق ضیافت خاص۔ یہی مسئلہ ایسا سہل اور ایسا آسان ہے کہ عوام الناس کے ورد زبان ہے اور یہی ایسا دقیق ہے جسکی تحقیق میں خواص کی عقل بھی حیران وسرگردان ہے توحید کے معنی ہیں شے واحد ہونے پر حکم کرنا اور شے واحد ہونے کا علم بھی توحید ہے حضرات صوفیا نے طرح طرح سے لفظ توحید کی وضاحت اور تقسیم کی ہے گویا جس کو جیسا علم ہوا اُس کے موافق بیان فرمایا۔

ایک قول یہ ہے کہ توحید کی چار قسمیں ہیں۔ اول توحید شریعت یعنی اس بات کا یقین کرنا کہ اللہ تعالیٰ اپنی ذات سے قدیم ہے۔ اپنی حیات سے حی۔ اپنی سمع سے سمیع اپنی بصر سے بصیر۔ اپنے کلام سے کلیم۔ یہ توحید ظاہری ہے خواہ تقلیداً خواہ بدلائل عقلی ونقلی۔ دوم توحید طریقت یعنی حق تعالیٰ کی وحدانیت کو امکان میں نور ایمان سے ملاحظہ کرکے واجب الوجود کا اثبات کرنا۔ اضافت جمیع موجودات کو معلوم سمجھنا ہستی جمیع موجودات کو ذات واحد میں دیکھنا۔ اسمیں تقلید واستدلال کی کچھ

حاجت نہیں۔ اس توحید کے تین مراتب ہیں۔ اوّل توحید افعالی یعنی جملہ موجودات کے افعال خدا سمجھنا۔ دوم توحید صفاتی یعنی جملہ صفات موجودات کو صفات خدا سمجھنا۔ سوم توحید ذاتی یعنی وجود جملہ موجودات کو وجود باری تعالیٰ یقین کرنا اور موثر حقیقی اور موجد اصلی ذات حق کے سوا دوسرے کو نہ جاننا۔

چہارم توحید حقیقت یعنی نفی غیریت یہاں تک کہ اپنے وجود کا اور اک بھی نفی اور تعینات موجودات بھی فنا یعنی حق کے سوا کچھ باقی نہ رہے۔ اپنے اور نیز جملہ موجودات کے وجود میں حق کو مشاہدہ کرے ایسی توحید کے نو مراتب لکھے ہیں۔

اوّل مرتبہ انفسی یعنی اللہ تعالیٰ بکمال اقربیت مطابق اپنے کلام پاک وھو معکم اینما کنتم ذات عارف میں تجلی فرماتا ہے اور نفس وعقل نور الٰہی میں فنا ہو جاتے ہیں۔

دوم مرتبہ آفاقی یعنی حق سبحانہ موافق رتبہ اللہ نور السموات والارض عارف کی نظر میں تجلی ہوتا ہے

سوم مرتبہ اسمائی یعنی عارف بہ کثرت ذکر الٰہی ہر اسم کے رنگ میں اسی ذات پاک کو متجلی دیکھتا ہے اور ذکر سلطان الاذکار وجود عارف میں ظاہر ہوتا ہے اور غیریت بالکل مفقود ہو جاتی ہے۔ ؎

بنام آنکہ او نامے ندارد   بہر نامے کہ خوانی سر برآرد

چہارم مرتبہ صفاتی یعنی اللہ تعالیٰ سالک کے اعضائے حسی سمع و بصر وغیرہ پر تجلی فرماتا ہے اور بی یسمع وبی یبصر کی کیفیت طاری ہوتی ہے ؎

نیست گشتم من زہستی ہائے تو   من بروں رفتم دروں شد جائے تو

پنجم مرتبہ تمثیلی یعنی سالک کو ہر فرد موجودات جداگانہ میں حق نظر آتا ہے اور اس مقام میں سجدہ خدا ہے ؎ ندیدم غیر تو در کعبہ و دیر۔

ششم مرتبہ شیونامی یعنی اللہ تعالیٰ عارف پر بہ تجلی افعال متجلی و ظاہر ہوتا ہے۔

اور افعال موجودات میں افعال حق نظر آتے ہیں یفعل اللّٰہ ما یشاء و یحکم ما یرید۔ اِس مقام میں دہندہ و کشندہ دونوں برابر ہیں۔ لیکن ادراک رنج و راحت باقی رہتا ہے۔

ہفتم مرتبہ شہودی یعنی اللہ تعالیٰ عارف پر اس طرح تجلی فرماتا ہے کہ حجاب ظلمانی رفع ہو کیفیت نورانی منکشف ہو جاتی ہے۔ اور معرفت بے کیف و مشاہدہ مدام میں مستغرق رہتا ہے۔

ہشتم مرتبہ وجودی یعنی تجلی وجود الٰہی میں ہستی سالک اس طرح فنا ہو جاتی ہے جیسے نور چراغ ضیائے آفتاب میں۔ اِس مقام میں سالک مثل جماد اپنی حرکات و سکنات سے محض بے خبر ہو جاتا ہے اور اس حالت میں امتیاز مشاہدہ و مشہود بھی کفر ہے۔

نہم مرتبہ تنزیہی۔ اس مرتبہ میں جملہ کائنات کی ہستی پر تو انوار الٰہی میں ایسی فنا ہو جاتی ہے کہ نظر سالک میں مطلق نہیں آتی۔ جب اس دریائے ناپیدا کنار کا شناور صفات موجودات کی تجلیات سے فنائے کلی حاصل کرتا ہے اور حدوث و امکان کی آلائش سے مجرد ہو جاتا ہے تو ایک موج قعر دریائے ذات سے سر خفی پر اور ہوتی ہے جو عارف کو ورطۂ عدم میں ڈال دیتی ہے۔ محو در محو اور فنا در فنا ہو جاتا ہے۔ اس مقام پر نہ وجود نہ شہود نہ اسم نہ مسمےٰ۔ نہ قدم نہ عدم نہ فرش نہ عرش نہ اثر نہ خبر نہ علم خود نہ علم حق غرض کچھ باقی نہیں رہتا۔ لی مع اللّٰہ وقت لا یسعنی فیہ ملک مقرب ولا نبی مرسل۔ دریائے جمع الجمع میں مستغرق ہو جاتا ہے اس وقت من عرف نفسہ فقد عرف اللّٰہ کی حقیقت ظاہر ہوتی ہے۔

ایک قسم توحید معرفت ہے اسی کو توحید اصلی۔ ذاتی۔ قدیمی اور الٰہی بھی کہتے ہیں جس وقت عارفِ کامل مقامات و مراتب سیر الی اللّٰہ و فی اللّٰہ و مع اللّٰہ طے کر کے مقام عین الجمع و جمع الجمع میں پہنچتا ہے جو انتہائے مراتب توحید سے ہے۔ اُس وقت اپنے آپ کو

عدم محض پاتا ہے اور خودی سے بے خود ہو جاتا ہے۔ جیسا کہ پیش از ترکیب اعضائے جسمی بصدر اعیان ثابتہ علم قدیم میں موجود تھا۔ اسی حالت کا بیان ہے اس آیت شریف میں ھل اتی علی الانسان حین من الدھر لم یکن شیئا مذکورا۔ آیا انسان پر وقتوں میں سے کوئی وقت گذرا ہے کہ وہ ایسی چیز نہ تھا جس کا ذکر کیا جائے یعنی ایک وقت انسان کے لئے ایسا تھا کہ وجود خارجی تو کیا وجود ذہنی و لفظی بھی نہ تھا۔ سنا ہے جب حضرت عمر فاروقؓ اس آیت کو قاری سے سنتے تو فرماتے یالیتھا تمت یعنی کاش یہ حالت پوری ہو جاتی۔ یعنی جہاں سے ہم نے سفر کیا ہے وہیں پر پہنچیں اور کثرت وحدت میں گم ہو جائے ایک قول یہ ہے کہ توحید کے لئے ظاہر باطن اور حقیقت ہے۔ ظاہر توحید تو اسلام ہے۔ اور باطن توحید ایمان حقیقت توحید تقوی اور عمل صالح۔ پس اسلام کی صحت ایمان سے ہے اور ایمان کی صحت تقوی اور عمل صالح سے۔ ایک قول یہ ہے کہ توحید کے تین مراتب ہیں۔ اول تو افعال اور مفعولات کل باوجود کثرت واختلاف کے اللہ تعالی کی طرف منسوب کرنا جیسا کہ ارشاد باری ہے۔ واللہ خلقکم وما تعملون وما رمیت اذ رمیت ولکن اللہ رمی قل کل من عند اللہ

دوم توحید صفات۔ یہ علم قلب ہے۔ ماخوذ از طریقت مئی ۱۹۱۶ء محررہ حافظ عبد القدیر ناظم۔

یہ کل بحث توحید جو اوپر مذکور ہوئی صوفیائے کرام کی گروہ کے لئے ازبس مفید ہے عوام کی سمجھ سے گذری ہوئی ہے موٹے الفاظ ہیں توحید۔ وحدانیت موحد۔ یوں سمجھ لو کہ خدا کو ایک بدون شرکت غیرے مان لینا۔ اوپر لکھ چکے ہیں دنیا میں کوئی فرقہ اس کے خلاف ماننے کو تیار نہیں ہے۔ پس معنی توحید صاف ہو گئے مطلب یہ تھا کہ موحد و مسلم میں ... ... ہے ... نہیں جس سے یہ ثابت ہو کہ کیسا کا موحد ہو ... ... تو وہ مسلمان ہی ... ... ہے کہ موحد کا مسلم ہونا ضروری نہیں ہوتا۔ ... ... گروہ میں

صدہا موحد گذرے جن کا زمانہ رسول اکرم صلعم سے پہلے گزر گیا وہ مسلم نہ تھے اور ہوتے کہاں سے
اسلام کے بانی کا زمانہ تو زمانہ آخری ہوا - جتنے موحد گزرے ہیں ان کو قابل تعظیم سمجھا گیا ہے اور
کوئی شخص ایسا نہیں ہوگا کہ ان کی تعظیم سے باہر ہو اگر ایسا ہو تو اُسکے خیال کا فرق ہو اور بس -
کہتے ہیں کہ قیامت میں توحید کا سوال سب سے کیا جائے گا عام اس سے کہ کوئی جاہل
ہو یا عالم - وحشی ہو یا متمدن - مدعا یہ کہ توحید کا مسئلہ ایسا کھلا ہوا اور صاف ہے کہ اسکے
لئے نہ کسی تعلیم کی ضرورت ہے نہ تلقین کی - اس لئے اس سے کوئی مستثنیٰ نہ ہوگا پس وہ
شخص جو اس مسئلہ کی تبلیغ کرے ظاہر ہے کہ وہ خدا کا خاص بندہ ہوگا - اور اس صورت سے
ہم کہہ سکتے ہیں کہ توحید ہی ذریعہ ہے ایک رسول کی تصدیق کا - لیکن میرے نزدیک
دوسری صورت اس سے زیادہ صاف ہے اس دُنیا میں جہاں ہمارے لئے تہذیب و تمدن
معیشت و معاشرت کے اُصول مرتب ہو گئے ہیں - جہاں ہمارے تمام افعال
انہیں اصول کے ماتحت اچھے بُرے قرار دئے جاتے ہیں ہمارے لئے سب سے
زیادہ آسان یہ ہے کہ انہیں مسائل کو پیش نظر رکھ کر ایک شخص کے نیک یا بد
ہونے پر حکم لگائیں - بجائے اس کے کہ ہم رسول کی رسالت کو اس کی تبلیغ توحید
کے ذریعہ سے پہچانیں کہیں زیادہ سہل یہ ہے کہ براہ راست اس کے اخلاق و سیرۃ
پر نگاہ کریں کہ وہ کیسی ہیں - اگر اخلاق کے لحاظ سے اسکی صداقت و دیانت ثابت ہو جائے
اگر اُصول تمدن کے معیار پر وہ ٹھیک اُترے تو پھر کوئی وجہ نہیں کہ ہم اُسے جھوٹا سمجھیں اور
اسکی تعلیمات کو لغو قرار دیں - اور چونکہ اسکی تعلیمات کا ماحصل صرف توحید ہے اس لئے
ہم کو مجبوراً ماننا پڑے گا کہ خدا ایک ہے اور اس کی توحید مُسلّم - یہ ہے میرا اپنا خیال - میں
نہیں کہہ سکتا کہ دوسرے کو کس راہ کے اختیار کرنے میں زیادہ سہولت ہے -

پس توحید خدا کو ایک ماننا ہے۔ عام اس سے کہ اُس کے کسی بانی کو تسلیم کیا جاوے یا نہیں۔

تعلیم التوحید

اِنَّمَا اِلٰهُكُمْ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ

مذاہب عالم میں اسلام ہی ایک ایسا مذہب ہے کہ جس نے توحید کی اعلیٰ اور مکمل تعلیم پیش کی۔ اور اسی بحث میں اسکے روشن اور چمکتے ہوئے امتیازات ظاہر ہوتے ہیں۔ اس میں شک نہیں کہ تمام مذاہب میں تھوڑی بہت توحید کی جھلک پائی جاتی ہے۔ لیکن افسوس ہے متبعین مذاہب نے اسمیں زیادہ افراط و تفریط کر دی ہے۔ اور یہ عزت صرف اسلام ہی کے لئے مختص ہے کہ وہ اب بھی نہایت صحیح اور بالکل خالص توحید کی طرف لوگوں کو رجوع کرتا ہے۔ قرآن مجید بتلاتا ہے کہ بنی نوع انسان کا فطرتی دین یہ ہے کہ وہ اکیلے اللہ کو اپنا خالق اور رب مان کر اُسی کے آگے سر جھکائے اور یہی اصل اسلام ہے۔ جتنے نبی اور رسول دُنیا میں آئے سب کی یہی تعلیم تھی کہ اکیلے اللہ کو مانو۔ اُس کی رضا طلب کرو۔ وہی پیدا کرنے والا۔ پالنے والا۔ مارنے والا ہے اور وہی تمام اعمال کی سزا و جزا دے گا۔ لیکن جہالت اور کم عقلی کی وجہ سے بعض لوگوں نے اس معبود حقیقی کو چھوڑ کر اسکی قدرت کے مظاہر مثلاً چاند۔ سورج۔ سمندر پہاڑ وغیرہ کو قابل پرستش سمجھکر پوجنا شروع کر دیا۔ بعضوں نے فرشتوں یا رسولوں کو خدا کی اولاد قرار دیا اور انکی عبادت کرنے لگے۔ اور بعضوں نے اُسکی ذات کو دُنیاوی بادشاہوں پر قیاس کر کے بڑے بڑے انبیاء و اولیاء کو جن سے غیر معمولی باتوں کا ظہور ہوا تھا اپنا مرجع بنایا کہ

اُن کے توسط سے اللہ تک رسائی حاصل کریں۔ ان میں سے کسی نے ان بزرگوں کے بت تراش کر
اُن کی پرستش شروع کی۔ کسی نے اُن کی قبروں پر نذر و نیاز چڑھا کر اُن کی خوشنودی کو رضائے
الہیّہ کا ذریعہ قرار دیا اور اپنے خالق کے درمیان ان کو واسطہ بنایا اس طرح شرک دُنیا کی قوموں میں
پھیل گیا۔ اللہ تعالیٰ نے مشرکوں کی گمراہی کو ان الفاظ میں ظاہر فرمایا ہے۔ وَیَعْبُدُوْنَ مِنْ
دُوْنِ اللّٰہِ مَا لَا یَضُرُّھُمْ وَلَا یَنْفَعُھُمْ وَیَقُوْلُوْنَ ھٰٓؤُلَآءِ شُفَعَآؤُنَا عِنْدَ اللّٰہِ۔ (یہ
لوگ اللہ کے سوا ان کی پرستش کرتے ہیں جو نہ اُن کو نفع پہنچا سکتے ہیں نہ نقصان۔ اور قائل
ہیں کہ اللہ کے پاس ہماری سفارش کرینگے۔

ایک جگہ بعض عقائد باطلہ کی تردید کرتے ہوئے ارشاد فرمایا۔ والذین تدعون
من دونہ ما یملکون من قطمیر ۔ ان تدعوھم لا یسمعون دعائکم ولو سمعوا
ما استجابوا لکم ویوم القیمۃ یکفرون بشرککم۔ (اللہ تعالےٰ کے سوا جن کو تم
پکارتے ہو وہ کھجور کے چھلکے کے بھی مالک نہیں ہیں اگر تم اُن کو پکاروگے تو وہ تمہاری پکار
نہیں سنیں گے اور سُنتے بھی تو جواب نہ دیتے اور قیامت کے دن تمہارے شرک سے انکار کردینگے)

ایک مقام پر اپنی صفت بیان فرمائی ہے۔ الحمد للّٰہ الذی لم یتخذ ولدا
ولم یکن لہ شریک فی الملک ولم یکن لہ ولی من الذل ۔ ہر قسم کی تعریف
اللہ کے لئے جس کی نہ اولاد ہے نہ اُسکی سلطنت میں کوئی شریک ہے نہ وہ کمزور ہے
کہ اُس کا کوئی مددگار ہو) پیغمبر اسلام کے مبعوث ہونے سے پہلے دنیا میں جس قدر
بت پرستی و شرک کی کثرت تھی اُس کا حال صفحات تاریخ میں اس طرح درج ہے۔
چھٹی صدی عیسوی میں جبکہ اسلام کی اشاعت نہیں ہوئی تھی دُنیا کے ہر حصے میں
شرک و بُت پرستی پھیلی ہوئی تھی۔ یورپ میں ڈون کو خدا تسلیم کیا جاتا تھا۔

چین کا بادشاہ خدا کا حقیقی فرزند سمجھا جاتا تھا۔ ہندوستان میں چاند۔ سورج۔ ستارے۔ گائے بیل بندر۔ ہاتھی خدا کے نائب سمجھے جاتے تھے۔ بعض کا یقین تھا کہ خدا ان کے اندر سمایا ہوا ہے مصر میں سوائے اصنام پرستی کے خدا پرستی کے نام سے لوگ ناواقف تھے۔ پتھر کے بتوں کو خدا کی اولاد سمجھا جاتا تھا اور گہری عقیدت کے ساتھ ان کی پرستش کی جاتی تھی۔ عرب میں سب سے زیادہ بت پرستی ہوتی تھی۔ عرب کے عقیدے میں سب سے بڑے خدا اساف اور نائلہ تھے۔ اور دونوں اشتراک عمل کے ساتھ خدائی کرتے تھے۔ ایران میں سلاطین پرستی کا زور تھا۔ بادشاہ وقت خدا سمجھا جاتا تھا۔ جب ایک بادشاہ کا انتقال ہو جاتا اور اس کا وارث تخت نشین ہوتا تو لوگ یقین کر لیتے تھے کہ اب خدائی موجود بادشاہ کے ہاتھ میں آ گئی۔ تاریخ الخمیس ابن اثیر مسامرۃ الاخبار زرقانی جبکہ اللہ تعالیٰ کی زمین پر اس قدر تاریکی پھیل گئی تھی تو ۲۰ راپریل ۵۷۱ء کو نور الٰہی چمکا پیغمبر اسلام علیہ الصلوٰۃ والسلام اس دُنیا میں تشریف لائے۔ آپ نے ۱۲ راگست ۶۱۱ء سے مدّ توحید کی نشر و اشاعت اور شرک و کفر کی بیخ کنی شروع کی۔ آپ نے مشرکین کی تمام عقاید باطلہ کی سخت تردید کی اور علی الاعلان ارشاد فرمایا۔ اللہ لا الٰہ الا ھو الحی القیوم لا تاخذہٗ سنۃ ولا نوم لہ ما فی السمٰوٰت وما فی الارض (اللہ تعالیٰ واحد و یکتا ہے اُس کے سوا کوئی معبود نہیں وہ زندہ ہے اور قائم ہے نہ اُسے نیند آتی ہے نہ غفلت اور جو کچھ زمین و آسمان میں ہے سب اُسی کا ہے) اس اعلان توحید نے مشرکین کی جماعت میں ہلچل ڈال دی۔ اور ایک انقلاب عظیم کا پیش خیمہ نصب کر دیا اسلام نے اللہ تعالیٰ کی وحدانیت اور ربوبیت رزاقیت اور خالقیت کے متعلق تعلیم دی کہ وہ معبود حقیقی وحدہٗ لا شریک ہے۔ اکیلا ہے۔ یکتا ہے سب سے نیاز ہے۔ اُسکا کوئی شریک نہیں وہ تمام مخلوق کو پالتا ہے۔ اور ہر جاندار کو رزق پہنچاتا ہے ہر چیز

اُسی نے پیدا کی - وہی خالق اکبر کائنات کی تمام نعمتوں کا مصدر اور سرچشمہ ہے خشکی کا ہر ذرّہ اور دریا کا ہر قطرہ اُسی نے بنایا ہے

ہر گیاہے کہ از زمیں روید

وحدہٗ لاشریک لہ گوید

دنیا کی تمام نعمتیں اُسی منعم حقیقی وحدہٗ جل مجدہٗ کی طرف سے ہیں اور دُنیا کی ہر شئے کی تخلیق تربیت میں اُسی ذات لایزال کا تصرف کامل ہے - اللہ خالق کل شئی وھو علی کل شئی وکیل لہ مقالید السموات والارض - (اللہ تعالیٰ ہر چیز کا پیدا کرنیوالا ہے اور ہر چیز اُسی کے سپرد ہے - اور آسمانوں اور زمینوں کی خزانوں کی کنجیاں اُسی کے پاس ہیں) مشاہدات سے اسلام کی یہ تعلیم نہایت کامیاب نظر آتی ہے - اگر حق پرستی و انصاف پسندی دُنیا سے مفقود و معدوم نہیں ہوئی ہے تو سچ یہ ہے کہ اسلام ہی وہ مبارک مذہب ہے کہ جس نے لاکھوں اِنسانوں کو شرک وکفر کی تاریکی و گمراہی سے نکالا اور توحید کی روشنی میں لاکر کھڑا کر دیا - خالص موحّد بنا دیا - اور اُن کے دلوں سے شرک فی الذات شرک فی الصفات اور شرک فی العبادات کی ظلمت وکدورت دور کر دی - صفحات تاریخ شاہد ہیں کہ جو گردنیں پتھروں جانوروں اور راہبوں کے سامنے جھکی ہوئی تھیں جو قلوب - آگ - پانی - چاند - سورج اور بہائم کی عظمت و جلالت سے لبریز تھے - اسلام نے اُن سبھوں کو معبودان باطل سے بیزار کر کے خدائے واحد القہار کے سامنے جھکا دیا - اور تمام ناجائز رشتے اور تعلقات منقطع کر دئیے - ہندوستان کے بہترین شعراء نے توحید کے مضمون کو اُردو فارسی نظم کا لباس پہنایا ہے اور مؤلف نے بھی چند نظمیں ترتیب دی تھیں وہ سب ہدیہ ناظرین کی جاتی ہیں -

نغمۂ توحید

(از جوش ملیح آبادی)

راحتِ جاں بھی وہی فتنۂ دوراں بھی وہی
خالِ ہندو بھی وہی نقطۂ ایمان بھی وہی

کعبہ و دیر یہ سب وہم کی تعمیریں ہیں
معنیِ دید وہی آیۂ قرآں بھی وہی

جلوۂ طور بھی ہے شمعِ سرِ طور بھی ہے
آشکارا بھی وہی آنکھ سے پنہاں بھی وہی

لحن داؤد وہی لے ہے وہی بنسی کی
سازِ ہندو بھی وہی سوزِ مسلماں بھی وہی

جان ہے تیرگی و نور کی پر تو اُس کا
ظلمتِ شب بھی وہی صبحِ درخشاں بھی وہی

ہاں وہی درد ہے پہلو کا وہی درماں ہے
ہاں وہ ہر زخم کا مرہم ہے نمکداں بھی وہی

اہلِ باطن کو صنم خانہ کعبہ کیسا
مُصحفِ رُخ بھی وہی زلفِ پریشاں بھی وہی

ایک تصویر کے دو رُخ ہیں بہار اور خزاں
خندۂ گل بھی وہی خارِ مغیلاں بھی وہی

مصر کا چاند ہے اور نجد کی آرائش بھی
حُسنِ لیلیٰ بھی وہی جلوۂ کنعاں بھی وہی

صرف لفظوں کا گھروندا ہے یہ فرقِ ملّت
دینِ ترسا بھی وہی جوشؔ کا ایماں بھی وہی

نغمہ توحید

از تائب

برباد مرا اے دل در عشقِ بتاں کردی
رسوائے جہاں کردی بے نام و نشاں کردی

خود در دلِ منصورم اسرار خفی داری
خود راز انا الحق را بر دار عیاں کردی

خود عاشق و معشوقی خود قاتل و مقتولی
خود تیغ زدی بر من خود شور و فغاں کردی

خود بلبلِ شیدائی خود آں گلِ رعنائی
از نغمۂ توحیدم بے تاب و تواں کردی

خود جلوہ وہی گاہے خود پردہ کنی گاہے
خود خواہش دیدارے ای جانِ جہاں کردی

خود نور گہے گشتی خود نار گہے گشتی اسلام بپا رائی خود کفر عیاں کردی
خود دل و جگر دادی خود چارہ گری کردی خود تیر بیندازی خود آہ و فغاں کردی
خود عہد وفا کردی خود ظلم روا [illegible] خود حال غم پرسی خود بند زباں کردی
اے ساقی میخانہ از لطف [illegible] از ہستی بیگانہ معدوم جہاں کردی
مخمور مرا کردی از بادۂ توحید [illegible] [illegible] ساغر اے پیر مغاں کردی

[illegible] از عشق بتاں اے دل
رسوائے جہاں [illegible] اے آفتِ جاں کردی

راز توحید

دوئی کو دل سے کھو دیتی ہے وحدت جیسی ہوتی ہے نظر آتا ہے غیر اپنا محبت ایسی ہوتی ہے
تمیزِ زلف و عارض خال و ابرو کچھ نہیں رہتی فروغِ حسن کی تاثیر و طاقت ایسی ہوتی ہے
نظر آتا ہے روئے نور جاناں اسکو ہر شے میں نگاہ محوِ نظارہ کی حیرت ایسی ہوتی ہے
غرض کی بو تک سے فکر اور فعل انکا مبرا ہے جو از خود رفتہ ہیں انکی لطافت ایسی ہوتی ہے
جو آنکھ اپنے پہ پڑتی ہے نظر معشوق آتا ہے کمالِ عشق میں عاشق کی مورت ایسی ہوتی ہے
[illegible] تارِ نفس تار گریباں کے برابر ہے جنونِ عشق میں عاشق کی وحشت ایسی ہوتی ہے
ہجومِ کثرتِ عالم میں رہکر ہیں الگ اس سے یہ ہوتے ہیں موحد اور وحدت ایسی ہوتی ہے
خبر رکھتے ہیں کل کی آپ سے وہ بیخبر ہوکر مئے عرفاں کے سرمستوں کی غفلت ایسی ہوتی ہے
مذاقِ بادۂ عرفاں [illegible] [illegible] نہیں [illegible] بتائیں کیا تمہیں مے کی لذت کیسی ہوتی ہے

غزل توحید

کیا گم آپ کو ہم نے جب اسکو بیگماں پایا نشان اپنا لیا برباد جب اسکا نشاں پایا

وہی ہے دیر میں جلوہ وہی ہے نور کعبہ کا　　بہت کچھ ہم نے سر رگڑا تو یاں دیکھا سوا پایا
ہوالاول ہوالآخر ہوالظاہر ہوالباطن　　جہاں سمجھو وہاں دیکھا جہاں دیکھا وہاں پایا
وہی ہر رنگ میں ظاہر وہی ہر طرز کا ماہر　　وہی دل ہے وہی نالہ وہی سوز نہاں پایا
نہ ہی عرش اور وہی کرسی وہی لوح و قلم نکلا　　مکیں بھی وہ مکاں بھی وہ اُسیکو لامکاں پایا
وہی آیا نظر میں اور وہی غائب رہا سب سے　　وہی سب میں نہاں پایا وہی سب سے عیاں پایا
یہ راہِ وحدتِ حق ہے خلیل اسمیں سنبھل کر چل　　قدم جس نے رکھا اسمیں اُسی کو بے نشاں پایا

ایضاً دیگر

احد احمد میں چھپا تھا مجھے معلوم نہ تھا　　پردۂ میم پڑا تھا مجھے معلوم نہ تھا
ماعرفنا کا کھلا راز تو جانا میں نے　　آپ اپنے سے جدا تھا مجھے معلوم نہ تھا
اپنی ہستی کے مرقع کو جو دیکھا میں نے　　نور احمد سے بنا تھا مجھے معلوم نہ تھا
جب مٹا رنگِ خودی میں نے خدا کو پایا　　خود کے پردہ میں خدا تھا مجھے معلوم نہ تھا
دل سے ڈہونڈوں تھا جسے دل ہی میں پایا اسکو　　وہ کہاں دل سے جدا تھا مجھے معلوم نہ تھا
غرقۂ لجۂ امواجِ توہم ہی رہا　　بحر کثرت کا چڑھا تھا مجھے معلوم نہ تھا
دل کے پردہ میں خدا تھا یہ نہتی مجھ کو خبر　　دل ہی میں دل سے چھپا تھا مجھے معلوم نہ تھا
راز فی انفسکم میں جو ذرا فکر کیا　　خود ہی میں جلوہ نما تھا مجھے معلوم نہ تھا
کھل گئی آنکھ تو ہر ذرہ میں دیکھا اُسکو　　میری آنکھوں میں چھپا تھا مجھے معلوم نہ تھا
مجھکو پیدا جو کیا امت احمد میں خلیل　　کیا ہی یہ فضل خدا تھا مجھے معلوم نہ تھا

غزل توحید

ہے کس میں نہاں اسکو جو اظہر نہیں دیکھا　　وہ کون ہے اُسکا جسے مظہر نہیں دیکھا

کیا اسمیں ملا ہم کو جو اپنے کو مٹایا — ہم ہی نہ رہے جب تو مقرر نہیں دیکھا
کیا کہدوں گماں کس پہ تہا اور کس کو نہ پایا — جز اُسکے جہاں میں کوئی بہتر نہیں دیکھا
یہ کیسی فنا ہے کہ عناصر نہ فنا ہوں — فانی کے اُسی جسم کو اکثر نہیں دیکھا
اک عمر شنادر رہے اور عمر گنوائی — پر بحر حقیقت کا وہ گوہر نہیں دیکھا
دیکھا گُل رخسار مجازی کو جو عارض — پھر اُسکو کبھی آنکھہ بہی بھر کر نہیں دیکھا
جب ہم نے فنا کو بہی فنا کی تو یہ پایا — جز اپنے کسی اور کو باہر نہیں دیکھا
دُنیا کو کیا ترک خلیل آپ نے ایسا — پھر کر بہی تو اُسکو کبھی پھر کر نہیں دیکھا

ایضاً دیگر

ہر شے میں مجھے وہ قدِ دل جو نظر آیا — ہر رنگ میں ہر ڈھنگ میں ہر شان میں پایا
بلبل کی ہر آہنگ میں ہر رنگ میں گل کے — ہر برگ میں ہر شاخ میں دیکھا وہی پایا
منصور نہ تہا صوت انا الحق تہی زباں پر — کیوں جسم کو منصور کے سولی پہ چڑہایا
بیخود کیا موسےٰ کو کیا طور کو سرمہ — کیا کیا ترے جلوے نے تماشا نہ دکھایا
احمد میں خلیل اور احد میں جو فنا ہے — دیکھا تو حقیقت میں بقا اس کو ہی پایا

زمزمہ توحید

ایک تو اور ہر جگہ ہے تو — نہ ترے زن نہ تو کسی کا شو[له]
نہ کسی کا پسر ہے تو نہ ابو[سه] — نہ کہیں خلق میں ترا ہے کفو

مالک الملک لاشریک لہٗ

وحدہٗ لا الہ الا ہو

ہو زمانے میں جتنی مخلوقات — سب پہ تیری نظر ہے دن اور رات

له خاوند۔ شوہر سه باپ۔

اور جماد و نبات وحیوانات — سب کی ہی تیرے ہاتھ موت وحیات

مالک الملک لاشریک لہ

وحدہٗ لا الٰہ اِلّا ہو

معرفت تیری گرچہ ہے دشوار — کیونکہ فرما چکے ہیں باتکرار
ماعرفناک احمد مختار — پر توہی دوجہاں کا ہے کرتار

مالک الملک لاشریک لہ

وحدہٗ لا الٰہ اِلّا ہو

تیری قدرت کے ہیں جو مصنوعات — دیکھتے یا برتتے ہیں ذرات
سب بتاتے ہیں تیری بھید کی بات — کہتے سب ہیں کہ اک ہے تیری ذات

مالک الملک لاشریک لہ

وحدہٗ لا الٰہ اِلّا ہو

جس نے ہمکو دئے ہیں یہ جوہر — عقل و ادراک و نطق و سمع و بصر
کیا وہ دیتے نہیں ہیں ہمکو خبر — ہے وہی ایک خالق اکبر

مالک الملک لاشریک لہ

وحدہٗ لا الٰہ اِلّا ہو

یہ نہیں ہے نبیؐ کا فرمانا — تو نہیں مطلق اس کو پہچانا
ہاں کما حقہٗ نہیں جانا — ورنہ گویا ہے خلق کا مانا

مالک الملک لاشریک لہ

وحدہٗ لا الٰہ اِلّا ہو

جتنی چیزیں جہاں میں ہیں موجود — سب دکھاتی ہیں شان رب ودود
سب بتاتی ہیں قدرت معبود — سب سے ثابت ہے یوں خدا کا وجود

مالک الملک لاشریک لہ
وحدہ لا الہ الّا ہو

سب پہ ظاہر ہیں حکمتیں تیری — سب پہ روشن ہیں صنعتیں تیری
سب پہ نازل ہیں رحمتیں تیری — سب سے کہتی ہیں نعمتیں تیری

مالک الملک لاشریک لہ
وحدہ لا الہ الّا ہو

تو نے پیدا کیا زمانے کو — تو نے پنہاں کیا خزانے کو
عیب پیدا کئے چھپانے کو — شان لطف و کرم دکھانے کو

مالک الملک لاشریک لہ
وحدہٗ لا الہ الّا ہو

تیری قدرت کے بھید وہ جانے — تجھ میں گم ہو کے تجھ کو پہچانے
کر کے بخشش جہان کے سیانے — اے ذبیح اب لگے ہیں سب گانے

مالک الملک لاشریک لہ
وحدہٗ لا الہ اِلّا ہو

توحید کا مضمون ضمناً آگیا تھا وہ ختم ہوا اسلئے بقیہ اشعار کبیر صاحب کے یہاں لکھ دینا ضروری ہیں

بھولتوں[۱] بھولتوں بھول ایسی پڑی اپنا روپ نہیں نیک جانا
گیان بچار بیبیک بن بھولیاں سنگھ کا روپ لے بھیڑ مانا

[۱] یہ اشعار قصہ طلب ہیں۔ کسی چرواہے نے ایک بچہ شیر کا بھیڑوں میں پالا (باقی اگلے صفحہ پر)

سنگھ سے بسنگھ جب سنگھہ ستگر ملے ٹیر کی اپنی نکٹ آنا
دیکھہ تو بوجھہ تو روپ ہے اپنا کون سی آنکھہ نیسنہ ٹہانا
جیو ہے برم ہے برم سے جیو ہے نیر اور چھیر ملا چہانا
کہے کبیر گر گیان بن بھولیاں وار کو چین اور پار جانا

عملی ہوکے دھرے دہیان   گرہے ہوکے کہتی گیان
جوگی ہوکے کوٹے بھگ   کہیں کبیر یہ تینوں ٹھگ

شاہ کبیر کہتے ہیں ؎

بڑے بھئے دکہ بہت ہی چہوٹی سی دکہ دور   تارے سب نیارے ہیں کہیں چاند اور سور
خوب پر کہہ کی دیکہہ کبیرا یہ مردو لکا گانوں   اسمیں جگ بھر کوئی نہ جیا کس کا لیجے ناؤں
پیر پیمبر مر گئے مر گئے جنگم جوگی   راج کرنتا راجہ مر گئے مر گئے بید اور روگی

(بقیہ صفحہ ۴۸) جب وہ بڑا ہوگیا تو بھیڑوں کے ساتھ رہنے لگا۔ اُسنے سمجھہ لیا کہ میں بھیڑ ہوں ایک روز جنگل میں سی شیر ... بھیڑوں میں شیر پھرتا ہے۔ اُسنے معلوم کیا کہ اُسنے اپنی آپکو بھیڑ مان رکھا ہی جنگلی شیر جھٹ پٹ ایک بھیڑ ... پہاڑ کر کہانے لگا اور کہا کہ ذرا تو بھی تو اپنی آپکو دیکہہ کہ تو کون ہی۔ اب ناظم کہتا ہے کہ بہول نے انسان پر ایسا غلبہ کیا ہی ... بہول گیا اور عقل پر ایسا پردہ پڑا ہی کہ شیر ہو کر بھیڑ بن گیا۔ شیر کو جب شیر ہی ستگرو ملے تو ایک پل کا میں ... ۔ دانو سے اپنی شکل کو دیکھہ کہ تو کون ہی اور کہاں سے آیا اور کہاں آکر محبت لگائی۔ روح اور ذات میں ... ہیں۔ اور یہ بات میری وہ سمجھے گا جو پانی اور دودھ کو جدا جدا کریگا۔

... مصرعہ میں فرماتے ہیں کہ بغیر عنایت گرو کے اِس دریا سے پار اُترنا مشکل ہے۔

۵ عملی نشہ باز گرہے دنیادار گیان معرفت جوگی آزاد قلندر بھگ ستر عورت۔ مطلب یہ کہ۔ جو نشہ باز ہو کر ... کہنے اور دُنیادار ہو کر معرفت میں گفتگو کرے۔ اور آزاد قلندر ہو کر عورت سے ہم صحبت ہو۔ ... کہتا ہے کہ یہ تینوں ٹھگ ہیں۔

چندا مرے سورج مرے مرے برن اکاسا
چودہ طبق پانی میں ڈوبیں ان کی چھوڑو آسا
راما مرگئے کرشنا مرگئے مرگئی لکھو بائی — اسکو سادھو کیوں نہیں پوجو جسکو موت نہ آئی
ایک[1] سمرلی الکھ نرنجن جنہیں جگ اپجایا — کہیں کبیر اسنوری سادھو جھوٹی جگ پر مایا
تنقید کرنے سے اوپر کا شعر نمبرا۔ گڑبڑ سا معلوم ہوتا ہے۔ شاہ کبیر اس مقام پر چوک گئے
اس جہان کو جھوٹا کہنا ٹھیک نہیں ہے۔ اسلئے کہ ارشاد باری ہے۔ ربنا ما خلقت
هذا باطلا ﴿اے پروردگار ہمارے نہیں پیدا کیا تو نے یہ جہان بے فائدہ﴾
شاہ کبیر ایک روز اپنا تانا بانا سنوار رہے تھے کسی شخص نے پوچھا کہ مہاراج کیا کرتے ہو
جواب دیا کہ ادھر سے توڑتا ہوں اُدھر جوڑتا ہوں۔ پھر پوچھا کہ یہ آپ کے سر پر کیا ہے کہا کہ
کوچ ہے۔ سچ یہ ہے کہ جب تک انسان کے سر پر کوچ سوار نہیں ہوتا ادھر سے توڑنا
اُدھر جوڑنا نہایت مشکل ہے۔
شاہ کبیر کے گھر میں ایک روز چور گھس آیا کہ اسکا پیچھا چوکیدار کر رہا تھا چور نے صاف
کہدیا کہ میں چور ہوں۔ سپاہی میرے پکڑنے کو آرہے ہیں۔ شاہ کبیر نے کہا کہ یہ میری بیٹی سوتی
ہے تم بھی اس کے پاس سو جاؤ۔ چور اُسکے پاس سو گیا۔ جب سپاہی کبیر کے گھر آکر چور کو
دریافت کرنے لگے تو انہوں نے کہا صاحب چور تو نہیں ہے۔ یہ میری بیٹی اور داماد سوتے
ہیں۔ وہ ان کو سوتے دیکھکر چلے گئے۔ پھر چور اٹھا اور تائب ہو گیا۔ یہ ہے کسر نفسی اور
حاجت روائی خلق۔

---

[1] ایک کو اختیار کر ایسا ایک جو نظر نہیں آتا اور سب گھٹ میں سمایا ہوا ہے جس نے جہان کو پیدا کیا۔ کبیر کہتے ہیں سنو یار دجھوٹے جگ میں پھر کوئی آیا ہے۔

سید احمد خانصاحب بانی مدرسۃ العلوم علی گڈہ کی بابت بہی ہم نے سُنا ہے کہ ایک طالبعلم جو صوبہ متحدہ میں اول درجہ کے ڈپٹی کلکٹر رہ چکے ہیں اُن کے فرضی بھتیجے یا داماد بنکر ایک مصنوعی چھٹی اُن کی جانب سے لکھکر کسی لفٹننٹ گورنر سے خواستگار ڈپٹی کلکٹری ہوئے جو سید صاحب کا دوست تہا۔ اُس نے فوراً ڈپٹی کلکٹری عنایت کی اور سید صاحب کو لکہا کہ آپ کے بھتیجے یا داماد آئے تھے اور آپ کا خط لائے تھے ہم نے ڈپٹی کلکٹر کردیا ہے سید صاحب نے اُن جناب کو خط لکہا کہ ڈپٹی کلکٹری مبارک ہو مگر بھتیجے یا داماد ہی بنے رہنا کوئی اور رشتہ نہ قایم کرلینا - یہ ہتی کسر نفسی اور ایثار - اب ایسے لوگ کہاں - آدمیاں گم شدند - شاہ کبیر فرماتے ہیں ؎

تن دہر[۱] سکھیا کوئی نہ دیکھا جو دیکھا سو دُکھیا رے
ڈگر[۲] چلتی سب[۳] گھٹ دُکھیا کیا گرہی[۴] اور بیراگی رے
سکہا[۵] چارج دُکھ ہی کے کارن گرہی مایا تیاگی[۶] رے
اوجّے[۷] است کی بات کہت ہوں تاکو کرے بیکار[۸] رے
اونچے چڑھ چڑھ دیکھہ تماشا گھر گھر ایک ہی لیکھا[۹] رے
چاند دُکھت ہے سورج دُکھیا نسدن پھرت جائی رے
برہما بشن مہیش دُکہت ہیں جن پہ ہاٹ[۱۰] لگائی رے
جوگی دُکھیا جنگم دُکھیا تپسیا کو دونا رے سو

---

۱ جسم دالا ۲ ڈگر راستہ ۳ جگہ ۴ دُنیا دار
۵ نام شاعر ۶ تارک الدنیا ۷ طلوع غروب ۸ گیان
۹ حساب ۱۰ دُکان

آسا[1] ترشنہ سب گھٹ پوری ایکو محل نہ سونا رے
دوت[2] دکھی اد دوت[3] دکھی ہیں ان کا ذکر ہی کتنا رے
کہے کبیر سنو بھائی سادھو کوئی مندر نہیں سونا رے (یعنی کوئی جگہ دکھ سے خالی نہیں)

المختصر شاہ کبیر کی زندگی کا خاتمہ ۱۵۱۸ء میں ہوگیا۔ اور فیصلہ ہر فریق نے اپنے حق میں خیال کیا۔ صاحب گزیٹر بستی لکھتا ہے کہ یہ کہنا مشکل ہے کہ کبیر شاہ کس مذہب کے تھے۔ اِس لئے کہ انہوں نے دونوں مذہب کی ایک ہی جوش کے ساتھ پیروی کی اور دونوں مذہب والے اس بات کو مانتے ہیں کہ اُن کی تعلیم میں دونوں مذہب کے لوگوں کیواسطے مفید باتیں تھیں۔ لیکن صحیح بات یہ تھی ؎

ذات پات پوچھے نہ کوئے ہر کو بھجے سو ہر کا ہوئے

شاہ کبیر کی ہندی شاعری کے چند نمونے اوپر دکھائے گئے ہیں جن کی دلچسپی کے وہ نمونے خود گواہ ہیں۔ ایسے ہی

ہندی شاعری میں تلسی داس خاص طور سے قابل ذکر خیال کئے جاتے ہیں ہم چاہتے ہیں کہ اُن کی صوفیانہ رنگ کی ہندی شاعری کے چند نمونے ہدیہ ناظرین کرنے سے قبل اُن کی مختصر سوانح عمری بھی آگاہی ناظرین کے واسطے لکھدیں اور اس کے بعد اُنکی ہندی شاعری کے نمونے دکھلائیں۔

گوشائیں تلسی داس جی کی سوانحعمری

گوشائیں تلسی داس جی ذات کے برہمن اور موضع راجپور ضلع باندہ کے متوطن تھے۔ اُن کے والد کا نام آتما رام دوبیہ تھا اور والدہ کا نام ہلسی تھا۔

---

[1] خواہش دنیا [2] فرشتہ [3] غیر فرشتہ

آپ کی پیدائش سمبت ۱۵۸۹ میں ہوئی چونکہ ہندو شاستروں کی رو سے آپکا وقت پیدایش ایک ایسی گھڑی تھی کہ مولود کو ہمیشہ کے لئے گھر سے نکالدیا جائے۔ لہذا آپ کے والدنے جو اپنے مذہب کے ایک پکے معتقد تھے اُن کو باہر پھینکوادیا مہاتما نرسنگھ داس ساد ہونے اُن کو اٹھاکر اپنی کُٹی میں منگوالیا اور اچھی طرح سے ان کی پرورش کی۔ اور جب ذرا ہوشیار ہوئے تو "گرد وکشا" دیکر انکو اپنا شاگرد بنالیا۔ اور ان کا نام تلسی داس رکہا۔ اس سے پیشتر وہ ہمیشہ ان کو رام بولا کے نام سے پکارا کرتے تھے۔

ان دنوں ایک مشہور پاٹھک مہاتما دین بندہو قریب ہی رہا کرتے تھے ان کی بیٹی رتناولی نہایت خوبصورت اور نازک بدن تہی۔ باپ کی تعلیم وتلقین نے لڑکپن ہی سے اُسکے دل میں ایک اچھا بیج بودیا تہا۔ اس نیک تربیت کے باعث وہ ایک خدا پرست لڑکی بن گئی۔ جب بالغ ہوئی تو باپ کو اُس کے شادی بیاہ کی فکر ہوئی۔ اُدہر گوسائیں تلسی داس جی بہی سن بلوغت کو پہنچ چکے تھے۔ ایک آدمی کو درمیان میں ڈالکر گسائیں جی نے اپنا عندیہ مہاتما دین بندہو پر ظاہر کیا۔ اُنہوں نے یہ درخواست منظور کرکے نہایت دہوم دہام کے ساتہہ دونوں کی شادی کردی۔ حق یہ ہے کہ یہ جوڑا ایسا اچھا بندہا کہ اس کی نظیر بہت کم دیکہنے میں آتی ہے۔ ایک عالم اور خدا پرست شخص کو جو خوشی ایک تربیت یافتہ اور نیک بیوی کے ملنے سے ہوتی ہے اس کا اندازہ لگانا بہت مشکل ہے۔ مہاتما دین بندہو جی بہی ایک قابل داماد ملنے کے باعث ازحد خوش تھے۔ نیک رتناولی ہمیشہ شوہر کی خدمت و پاسداری میں مشغول رہتی تہی۔ گسائیں جی کو اُن سے اس قدر الفت و محبت تہی کہ دم بھر بہی انہیں اپنے پاس سے جدا نہ کرتے تھے کچھہ عرصہ بعد خدائے تعالےٰ نے اُن کو اولاد نرینہ عنایت فرمائی کہ جس کا نام تارک

رکھا گیا اس الٰہی بخشش سے اُن دونوں کا رشتۂ اُلفت اور بھی مضبوط ہو گیا رتناولی کے والد نے کئی بار اس کے بلانے کو آدمی بھیجا مگر گوشائیں جی نے اس کی جدائی کو منظور نہ کیا۔ آخر کار رتناولی کا بھائی اسے اپنے ہمراہ گھر لے جانے کے لئے آیا۔ اس دفعہ اُس نے خود بھی اپنے باپ کے گھر جانے میں زور لگایا۔ مگر گوشائیں جی بالکل راضی نہ ہوئے۔ اتفاقاً کسی کام ضروری کے لئے گوشائیں جی کو باہر جانا پڑ گیا۔ رتناولی بلا اجازت انکی عدم موجودگی میں بھائی کے ہمراہ باپ کے گھر روانہ ہو گئی۔ تھوڑی دیر بعد گشائیں جی واپس آ گئے۔ رتناولی کو وہاں موجود نہ پا کر سخت بیکل ہوئے۔ اِدھر اُدھر ڈھونڈھا کہیں پتہ نہ چلا۔ آخر آس پاس کے رہنے والوں سے معلوم ہوا کہ وہ اپنے باپ کے گھر چلی گئی ہے۔ گشائیں جی تاب مفارقت نہ لا کر فوراً سسرال کی طرف روانہ ہو پڑے۔ رتناولی ابھی رشتہ داروں سے ملنے بھی نہ پائی تھی کہ گشائیں جی بھی جا پہنچے۔ ان کو دیکھکر وہ بہت شرمندہ ہوئی جھنجلا کر خوشامدانہ لہجہ میں بولی۔

"پران ناتھ! جو محبت تم کو مجھ سے اور میرے ناپائدار جسم سے ہے اگر یہی محبت شری رامچندر جی سے ہوتی تو دین و دنیا دونوں کما لیتے"

گشائیں جی ایک گیانی پنڈت تھے۔ اُن کے دل پر یہ بات تیر کی طرح لگی۔ اور کچھ عرصہ کی بجھی ہوئی آگ ایک دم چمک اٹھی۔ فوراً تمام دنیوی تعلقات پہ لات مار کر کاشی جی۔ (بنارس) کی طرف روانہ ہو گئے۔ اور وہاں پہنچکر رات دن یاد الٰہی میں مگن رہنے لگے۔

گشائیں جی کی زندگی کا سب سے مشہور واقعہ یہی ہے کہ جس نے آن کی آن میں اُن کی کایا پلٹ دی۔ عورت کی ایک ذرا سی بات نے اُن کے دل کو ہمیشہ کے لئے دُنیا سے موڑ دیا۔ اور رفتہ رفتہ اُس کا یہ نتیجہ نکلا کہ رامائن جیسی مشہور و معروف

کتاب آج دنیا میں موجود ہے۔ یہ وہ نہ مٹنے والی یادگار ہے جو ہزاروں لونئیں گھر کئے ہوئے ہے۔

ہندوؤں کی مقدس کتابوں میں جو ہر دلعزیزی اور شہرت رامائن کو حاصل ہے وہ کسی اور کتاب کے حصہ میں نہیں آئی کہنے کو ایک مہاراجہ کی سوانحعمری ہے مگر اسمیں فرائض کے ایسے بہترین نمونے پیش کئے گئے ہیں کہ جن کی نظیر مشکل سے ملیگی اس میں اُس زندگی کی تصویر کھینچی گئی ہے جو قدیم آریوں کی نگاہ میں مکمل کہلاتی تھی۔ کچھہ شک نہیں کہ ہندو اس کتاب کے زیر بار احسان ہیں۔ کوئی ہندو خواہ کسی فرقہ یا گروہ کا ہو ایسا نہ ملیگا جس نے رامائن کو پڑھا یا سنا نہ ہو اور اس کے دل پر اُس نے نیک اثر نہ ڈالا ہو۔ یہ درست ہے کہ رامائن ایک قصہ ہی مگر دراصل یہ وہ بے نظیر قصہ ہے کہ جسکے مطالعہ سے پڑھنے والیکے دل میں وسیع خیالات سرایت کر جاتے ہیں اور وہ اوصاف جو کمالات انسانی کا زیور ہیں ہمارے سامنے آکر کھڑے ہو جاتے ہیں۔ راست بازی۔ ایفائے عہد۔ فرزندانہ اطاعت پدرانہ محبت وحلم۔ استقلال عفو۔ غرضیکہ کوئی ایسی خوبی نہیں ہے جسے جادو نگار شاعر نے نظر انداز کیا ہو۔ مگر وہ بات جسکے باعث دیگر اقوام و مذاہب کے لوگ بھی رامائن کو اپنے دلوں میں اچھی اور ممتاز جگہ دیتے ہیں یہہ ہے کہ اوس نے ہندو علم ادب ایک اعلیٰ نمونہ دنیا کے سامنے پیش کیا ہے اور یہ کامیابی کچھہ شاعرانہ بلند پردازی کی وجہ سے نہیں ہے بلکہ اسکے مصنف کی غیر معمولی قابلیت اور دیگر خداداد عطیات کی بدولت ہے۔ گریفتہ صاحب کا یہہ قول کہ رامائن دنیا میں ہر وقت اور ہر ملک کی علم ادب کو برابر کامیابی کے ساتھہ چیلنج دیتی رہیگی اور انسانی کمال کی یہہ مکمل تصویریں ہو رام اور سیتا میں نظر آتی ہیں کہیں اور

نہ ملیں گی۔ ایک حد تک درست ہے۔

گسائیں تلسی داس جی کے باب میں مؤلف رہنمایان ہند نے لکھا ہے کہ وہ شروع شروع میں راجہ صاحب بنارس کے دیوان بھی رہے ہیں ۔ اور بعد ازاں فقیرو زہد اختیار کر کے بندرا بن کو چلے گئے۔ بہت سے مقامات کا سفر کیا اور پھر بنارس میں واپس آئے۔ اور یہیں پر رامائن لکھی۔ اور اواخر زندگی کا حصہ بھی اسی شہر میں گزارا۔

کہا جاتا ہے کہ شری رامچندر جی نے گسائیں جی کو خواب میں حکم دیا کہ وہ رامائن کو قلمبند کریں۔ چنانچہ انہوں نے سمبت ۱۶۳۱ میں رامائن لکھنی شروع کی بال کانڈ میں اس کے شروع کرنے کی تاریخ لکھتے ہیں۔ ؎

سمبت سولہ سو اکتیسا ۔۔۔ کروں کتھا ہر پد دھر سیسا

نومی بھوم وار مدھو ماسا ۔۔۔ اودھ پوری یہ چرت پرکاشا

گسائیں جی بھاکھا زبان کے شاعروں میں بہت ممتاز مانے جاتے ہیں۔ ان کی لکھی ہوئی رامائن کی دو کتابیں اب بھی متبرک سمجھی جاتی ہیں۔ ایک تو ان کے وطن راجپور میں ہے اور دوسری شری سیتا رام جی کے مندر بنارس میں۔ ایک اور بہت پرانی کتاب مہاراجہ کاشی کے پاس بتائی جاتی ہے۔ مگر اُس کی نسبت یہ بھی خیال کیا جاتا ہے کہ وہ گسائیں جی کی اپنے ہاتھ کی لکھی نہیں بلکہ اُن کی وفات کے چوبیس برس بعد یعنی سمبت ۱۷۰۴ میں اُن کے خود نوشت نسخے سے نقل کی گئی ہے۔

گسائیں جی کی تصانیف اس قدر ہیں (۱) کتب رامائن (۲) رام گیتا ولی (۳) دوہاولی (۴) جنے پترکا (۵) کرشن گیتاولی (۶) رام ست سئی (۷) رام لستا (۸) نہلو (۹) بیراگ سندیپنی (۱۰) بمدار مائن (۱۱) کمنڈلی رامائن

(۱۲) رولارامائن (۱۳) کڑھارامائن (۱۴) جھولنارامائن (۱۵) پاربتی منگل (۱۶) جانکی منگل (۱۷) سنکٹ موچن (۱۸) ہنومان ناٹک (۱۹) رام شکوتاولی۔

گسائیں جی نے اسی گھاٹ پر بنارس میں ۹۱ برس کی عمر میں یعنی سمت ۱۶۸۰ میں وفات پائی جیسا کہ اس دوہے سے معلوم ہوتا ہے ؎

سمبت سولہ سو اَسی اسی گنگ کے تیر[له]
شراون شو کلا ستیمی تلسی تجیو شریر

گسائیں تلسی داس کے ہندی کی پیاری شاعری کا صوفیانہ انداز۔

"بھاشا میں جواہرات" واضح ہو کہ بھاشا کی قدر و قیمت سے جسقدر مسلمان غافل ہیں اُنسے بڑھکر ہنو د غافل ہیں۔ حالانکہ وہ اسکو بھارت ماتا کی زبان بتاتے ہیں۔ اب انکی ماتا بھاشا نہیں ہی بلکہ وہ اردو ماتا کی گود میں آگئی۔ سوتیلی ما نا بھی آخر ماتا ہی ہوتی ہے۔

بھاشا نہایت پیاری بولی ہے۔ کیونکہ اسکی ماتا سنسکرت ہے۔ جو قدیمی مستقل زبان ہے اور نہ صرف بھاشا کی بلکہ کئی زبانوں کی ماخذ ہے اور دنیا کی نہایت پرانی زبانوں میں ہے۔ بھاشا میں بڑے بڑے نیچرل [عدیم المثیل] شعرا گذرے ہیں۔ مگر ان کا کلام گمنامی کے ویرانے میں مدفون ہو گیا تھا۔ اب اس زمانے کے جوہریوں نے خاک بیزی کر کے اُن کی تصنیف و تالیف کے بے بہا جوہر نکالے اور آویزۂ گوش ناظرین بنائے۔ مہاراج تلسی داس مولفہ کتاب رامائن بھاشا کے ممتاز شعرا میں سے ہیں۔ اُن کا کلام ایسا ہی چُست اور مضبوط و مربوط ہے جیسا فارسی میں مولانا نظامی گنجوی علیہ الرحمتہ کا اور عربی میں متنبی کا۔ قل و دل اور بالکل ٹھوس اور ٹھکا ہوا لکلام۔ و[ڈ]رزا و[ڈ] حشو تام کو نہیں۔ روی ایسی سچی کہ سُبحان اللہ افسوس ہی کہ ہمارے اُردو شعرا کو بھاشا کی شاعری کا مذاق نہیں۔ اکثر شاعران عزّا[م] تو خیر سے خود شاعری کی

[له] نزدیک [ته] شگاف جو کسی چیز میں پڑ جائے [ته] بھرنا۔ روئی وغیرہ کا کسی تکیہ یا لحاف میں

ماہیت ہی نہیں سمجھتے۔ اُردو شاعری کی حالت عام طور پر اب تک طفلانہ ہے۔ اب ذرا کایا پلٹ چلی ہے اور سوشیل شعرا ر گہوارے میں ہوں ہاں کرنے لگے ہیں۔ مگر ہونہار۔ لہذا جلد بڑھنے اور پھولنے پھلنے کی امید ہے۔ ہم ذیل میں تلسی داس کی کتاب رامائن میں سے کچھ اقتباس پیش کرتے ہیں۔ اور ساتھ ہی ٹیکا شرح بھی۔ کیونکہ مُسلمان تو رامائن سے اشعار کی فصاحت و بلاغت و نزاکت کیا سمجھیں گے ہزاروں پنڈت نہیں سمجھتے۔ جن کی نسبت بیاس جی فرماتے ہیں۔ کہ مورکھ (جاہل) برہمن سے بیل اچھا جو کھیتی وغیرہ کے کام میں آتا ہے۔

مہاراج رام چندر جی بن میں براج رہے ہیں۔ بہار آئی ہے۔ گھٹا چھائی ہے برسات کا موسم ہے۔ تلسی داس جی اس سمے کا سین دکھاتے ہوئے فرماتے ہیں ۵

منگل روپ بھیئے بن تب تیں　　　کینہ نواسس رپانت جب تیں

شرح۔ جب سے رام چندر جی نے باس لیا (قیام کیا) بن منگل روپ بن گیا رونق آگئی۔ پھول پھلواری پر جوبن آگیا۔

برکھا کال میگھہ نبھ چھائی　　　گرجت لاگت پرم شہائی

شرح۔ برسات کے دن آگئے۔ بادل آسمان پر گرجتے ہوئے بہت ہی بھلے لگتے ہیں۔

دوہا

لچھمن دیکھو مورگن ناچت بار دپیکھہ　　　گرہی برت رت پرکھہ جن بشن بھگت کنہہ دیکھہ

شرح۔ اے لچھمن (رام چندر جی کے بھائی) دیکھو تو بادلوں میں پانی کی لہریں دیکھہ کر موروں کے جھنڈ ناچ رہے ہیں۔ جیسے کوئی خدا پرست گرستی دبال

بچوں والا) بھگتوں (عارفوں) کو دیکھکر خوش ہوتا ہے ؎

گھن گھمنڈ نبھ گرجت گھورا پریا ہن ڈرپت من مورا

شرح۔ بادل اُمڈ اُمڈ کر آسمان میں گھور گرج رہے ہیں۔ میرا دل اپنی محبوبہ (جانکی جی) کے بغیر ڈرتا ہے۔ جانکی جی کو راون ہرلے گیا تھا۔ اُنہیں کی تلاش میں آپ جنگلوں اور بنوں میں پھرتے ہیں ؎

دامنی دمک رہی گھن ماہیں کھل کی پریت جتھا تھر ناہیں

شرح۔ بجلی بادلوں میں چمک چمک کر رہ جاتی ہے جیسے بیوقوف دشت کی محبت قابل اعتبار نہیں ہوتی ؎

برکھیں جلد بھوم نیرائی ستھا نوہیں بدھ ودّیا پائی۔

شرح۔ بادل زمین کے قریب آآکر اس طرح رہتے ہیں جیسے علم پڑھکر سچے علماء نیو جاتے ہیں۔ یعنی منکسر اور فروتن بنجاتے ہیں۔ (جس طرح بادل پانی سے بھرپور رہتے ہیں اسی طرح علماء علم سے معمور رہتے ہیں کتنی بلیغ اور عمدہ نظیر ہے)

بُند اگھات سہیں گر کیسے کھل کے بچن سنت سہیں جیسے

شرح۔ پہاڑ مینھ کی بوندوں کی چوٹ اس طرح سہہ رہے ہیں جیسے اچھے لوگ جاہلوں کی سخت کلامی سہتے ہیں۔ یعنی جس طرح اچھے صابر شاکر لوگوں کو جاہلوں کی گالی گلوچ سے اذیت نہیں ہوتی پہاڑوں کو بھی بوندوں کی چوٹوں سے اذیت نہیں ہوتی۔ (کیا اخلاقی تشبیہ ہے)

چھدر ندی بھر چلی اترائی جس تھوڑے دھن کھل بورائی

شرح۔ چھوٹی چھوٹی ندیاں پانی سے بھر بھر کر آپے سے باہر ہو ہو کر چل رہی

ہیں جیسے کوئی اوچھا کم ظرف آدمی تھوڑا سا روپیہ پاکر باولا ہو جاتا ہے یعنی اچھلنے کودنے لگتا ہے۔ بلاغت یہ ہے کہ ندی کا پانی اُس کا اپنا نہیں۔ برسات میں اِدھر اُدھر سے آگیا ہے۔

بھوم برت بھاٹا بر پانی　　　جم جیو ہی مایا لپٹانی

شرح۔ زمین پر مینہ کا صاف اور پاک پانی گر کر یوں گدلا اور ناپاک ہو رہا ہے جیسے روح دنیا کی آلائشوں میں لپٹ کر مکدر ہو جاتی ہے۔ سبحان اللہ کوئی شعر اخلاقی نتیجے سے خالی نہیں

سمٹ تا سر جل ندھ میں جائی　　　ہوئے اچل جم نر ہری پائی

شرح۔ ندیوں نالیوں کا پانی سمندر میں جا کر یوں گم ہو رہا ہے جیسے عارف لوگ خدا کو پا کر خدا ہی میں گم ہو جاتے ہیں۔ اُو ہو ہو ہو۔ شوکت ؎

اے خضر راہِ دوست میں کھو یا گیا ہوں میں　　　اپنے کو ڈھونڈھتا ہوں بتادے مرا مجھے

سمٹ سمٹ جل بھریں تلاوا　　　جم سد گرُ سجن پنھ آوا

شرح۔ پانی سمٹ سمٹ کر تالابوں میں اس طرح آ رہا ہے جیسے نیک آدمیوں کے پاس اچھی خصلتیں خود چلی آتی ہیں۔ واہ

تلسی داس جی کے کلام میں غور کرنے کی بات یہ ہے کہ برسات کا نیچرل سماں بھی لاجواب۔ پھر ہر شعر میں اخلاقی چھینٹا۔ جدھر سے چکھو میٹھا کیسا مبالغہ۔ اور ایک لفظ خلافِ واقعہ نہیں۔ شاعری اسے کہتے ہیں۔ ہمارے اُردو شعراء غور کریں اور سبق لیں ؎

معرفت کا رنگ

ماٹی میں ماٹی ملی اور ملی پون میں پون　　　میں یوں بوجھوں مورے بیر وا دو میں مواکون

جب آدمی مرا تو مٹی میں مٹی مل گئی اور ہوا سے ہوا مل گئی۔ اے بھائی میں تجھ سے یہ پوچھتا ہوں کہ دونوں میں کون مرگیا۔ ۵

جبؔ کوئی ایسے من کو لگاوے ۔۔۔ من کے لگایوں سے ہر پاوے
جیسے کاوں بھرت کوپ جل کر چھوڑت مٹکاوے
اپنا پریم سکھی سے باکھی سرتی گگر میں لاوے
جیسے نٹنی چڑھت بانس پر نٹوا ڈھول بجاوے
اپنا بھار د تول دیہی کا سرتی بانس میں لاوے
بکری جو میں میں کرے گلے چھری پھروائے
مینا جو میں نا کہے سب کے من کو بھائے

گوسفند جو ہمیشہ میں میں کرتی ہے یعنی انانیت اور خودی کا اظہار کرتی ہے وہ قصاب کی چھری کا شکار ہوتی ہے مگر مینا جو میں نا کہتی ہے یعنی انکار اور فنا فی الذات رہتی ہے وہ سب کے پسند ہے۔

ہستی ناپائدار

مالی آیا باغ میں کلییں کریں پکار ۔۔۔ کھلی کھلی سب بین لیں کال ہماری بار

یعنی مالی نے باغ میں آکر کھلی ہوئی کلیاں سب چن لیں۔ کلیاں فریاد کرتی ہیں کہ اسی طرح کل ہماری باری ہوگی۔ اس سے فنا اور بقا کے مسئلہ پر

---

۵ ترجمہ اور مطلب۔ من دل۔ ہر خدا کاؤں عورت کوپ کنواں۔ جل پانی۔ کر ہاتھ۔ پریم محبت۔ سکھی سہیلی باکھے بیان کرے۔ سرتی خیال۔ گگرا گھڑا۔
یعنی جیسے عورت گھڑا پانی کا بھرا ہوا سر پر رکھکر ہاتھ چھوڑے ہوئے اپنی سہیلی سے شوق کی باتیں کرتی جاتی ہے اور خیال اسکا گھڑے میں لگا ہوا ہوتا ہے اور نٹنی کا خیال بانس میں ہوتا ہے۔ اسی طرح خدا کے ساتھ دل لگاوے یعنی دست با کار دل با یار۔

روشنی پڑتی ہے۔

ماٹی کہے کمہار سے تو مت روندے موئے
اِک دن ایسا آئیگا میں روندونگی توئے

یعنی مٹی کمہار سے کہتی ہے کہ تو مجھے مت روند۔ ایک دن ایسا آئے گا کہ تیری ہستی کا خاتمہ ہوگا اور میں تجھکو روندوں گی۔ یعنی تو زمین میں دفن ہوگا۔

یاد خدا

تلسی اپنے رام کو ریجھ بجھو کہ کھیج
بھوم پڑے سب اپجینگے الٹے سیدھے بیج

یعنی اے تلسی اپنے رام کو چاہے دِل لگا کر یاد کر دیا بے دلی سے ۔ مگر یاد ضرور فائدہ دے گی جیسے زمین میں بونے سے اُلٹے سیدھے سب بیج پھوٹ آتے ہیں۔

توکل

تلسی بِروا باگ کے سینچت بھی کملائیں
رام بھروسے جو رہیں پربت پر ہریائیں

یعنی اے تلسی باغ کے پودے پانی دینے پر بھی کملا جاتے ہیں مگر جو پودے خدا کے توکل اور بھروسے پر ہیں وہ پہاڑوں پر بھی جہاں ان کو کوئی پانی نہیں دیتا سر سبز رہتے ہیں۔

غریبوں کی آہ

تلسی آہ گریب کی ہر سے سہی نہ جائے
موئے چام کی پھونک سے لوہ بھسم ہو جائے

یعنی اے تلسی غریب کی آہ خدا بھی برداشت نہیں کرتا۔ دیکھو مردہ کھال کے پھونکنے سے لوہا بھی راکھ ہو جاتا ہے۔ اسی طرح غریب کی آہ اپنا اثر دکھلاتی ہے۔

ظاہر و باطن

تن اُجلا من کالا بگلے کا سا[1] بھیکھ   توسے تو کاگا بھلا باہر بھیتر ایک

یعنی بگلے کی طرح تن اُجلا اور دل سیاہ ہو تو کیا فائدہ تجھ سے تو کوّا اچھا ہے جو باطن ظاہر دونوں میں کالا ہے۔

فرطِ شوق اور دردِ فرقت

آپیا رے نین میں پلک ڈھانپ توئے لوں   نامیں دیکھوں اور کو نا توئے دیکھن دوں

یعنی اے پیارے میری آنکھوں میں آجاؤ تاکہ میں پلک بند کر کے آنکھوں میں بٹھالوں۔ نہ میں سوائے تیرے کسی کو دیکھوں اور نہ تجھے دیکھنے دوں۔

کاکھ بھیو تن سوکھ کے پر ہے کوئی باس   اے وایو لے چل ابھی جہاں پیا کا داس

یعنی جسم تو سوکھ کے تنکے کے مانند ہو گیا لیکن ابھی کوئی سانس باقی ہے لے ہوا مجھے اُڑا کر لے چل جہاں میرے محبوب کی سکونت ہے۔

ساجن تو مت جانیو میرے بچھڑے ہوئے چین

داہے بن لاکڑی سلگت ہوں دن رین

[1] لے پیارے یہ نہ سمجھنا کہ تیری جدائی میں مجھے چین نصیب ہے۔ میں تو رات دن اس طرح جلتا ہوں جیسے جنگل کی لکڑی۔

ہوں ساجن جانت نہیں پیا بچھڑن کی سار

جیا بچھڑن سے ہے کٹھن پیا بچھڑن کی بار

---

[1] بھینس بھی بولتے ہیں۔

اے پیارے میں درد جدائی کو کچھ نہیں جانتی صرف اتنا سمجھتی ہوں کہ موت کی تکلیف سے فرقت کی تکلیف زیادہ سخت ہے یعنی روح کی جدائی سے خاوند کی جدائی کا وقت نہایت سخت ہو۔

"انتظار"

کاگا سب تن کھائیو چن چن کھائیو ماس   دو نیناں مت کھائیو پیا ملن کی آس

اے کوّے مرنے کے بعد میرے تمام جسم کا گوشت چن چن کر کھا لینا۔ مگر دو آنکھیں میری نہ کھانا۔ ابھی محبوب کے ملنے کی امید لگی ہوئی ہے۔ شاعر نے اس دوہے میں اپنے معشوق کے دیکھنے کا ایک سچا اشتیاق ظاہر کیا ہے کیونکہ وہ ایک زاغ سے مخاطب ہو کر کہتا ہے کہ چاہے اُس کے جسم کا سارا گوشت زاغ کھائے مگر صرف دو آنکھیں چھوڑ دے جن کے ذریعہ سے وہ اپنے یار کی ملاقات کر سکے۔ یعنی دیکھ سکے۔ اسی کے ہم مطلب اُردو کا شعر یوں موزوں کیا گیا ہے۔

گوشت ذرہ بھر نہ چھوڑ زاغ کھا سب جسم ار   دونوں آنکھوں کو نہ کھا تو ہے اُمیدِ دیدار

فارسی کے ایک شاعر نے اس مطلب کو یوں ادا کیا ہے۔

اے زاغ بخور جسم و لحے کہ درین است   گذار دو چشم۔ ہوس دید صنم است

ایک دوسرے دوہے کو بھی ملاحظہ کیجئے۔

پریت تو ایسی کیجئے کہ جیسے لیٹا ڈور   اپنا گلا پھنسائے کے پانی لائے بور

اُردو شاعر نے اس کو یہ لباس پہنایا ہے۔

جیسی لوٹے ڈور میں الفت ہو ویسی چاہ ہو   اپنی گردن کو پھنسا کر لایا لوٹا آب کو

فارسی میں بھی تخیل کی کمی نہیں معلوم ہوتی۔ اسی مضمون کا شعر ہے۔

صورتِ ظرف درسن باہم محبت بہتر است   گردنِ خود از رسن بستہ و آب آورد است

انتہائے یاس

لکڑی جل کوئلہ بھئی کوئلہ جل بھیو راکھ   میں برہن ایسی جلی نہ کوئلہ بھئی نہ راکھ

یعنی لکڑی جل کے کوئلہ بھئی اور کوئلہ جل کے راکھ ہوا لیکن میں ہجر ایسی جلی کہ کوئلہ یا راکھ کچھ بھی نہ ہوئی۔

ساجن تورے درشن کو ترست ہوں دن رین   تارے گنتی رہت ہوں پلک لگے نا نین

اے پیارے تیرے دیدار کو دن رات ترستی ہوں یہاں تک کہ تمام رات تارے گنتی ہوں۔ ایک پل آنکھ نہیں لگتی۔

ہدایت نیک

تلسی اس سنسار میں کر لیجئے دو کام   دیوے کو ٹکڑا بھلو لیوے کو ہر نام

یعنی تو جو دنیا میں آیا ہے دو کام کرلے۔ خدا کی عبادت کر اور بھوکے کو کھانا کھلا۔

ہجراں نصیبوں سے ہمدردی

چکوا چکوی دو جنے ان مت مارو کوئے   یہ مارے کرتار کے رین بچھو یا ہوئے

یعنی چکوا چکوی کی نسبت مشہور ہے کہ دن بھر ملکر رہتے پھرتے ہیں مگر جہاں رات آئی چکوی دریا یا میدان کے کنارے اور چکوا دوسرے کنارے جب ایک دوسرے کو بلاتے ہیں تو ایک اڑ کر ادہر آجاتا ہے اور دوسرا ادہر چلا جاتا ہے۔ غرضکہ اسی ہیرا پھیری میں ساری رات گذر جاتی ہے۔ شاعر اسی واقعہ کی طرف اشارہ کرکے کہتا ہے۔ کہ چکوا چکوی دو جنے ہیں انکو کوئی نہ مارے یہ تو

خدا کے مارے ہوئے رات بھر اسی ہجر و فراق میں رہتے ہیں۔ عاشقان الٰہی کو جو اُس کے فراق میں دُکھ درد جھیلتے ہیں ان کو کوئی نہ ستاوے یہ تو ویسے ہی مصیبت زدہ لوگ ہیں۔

وصل الٰہی

گُر بِن بھرم نہ کوئی کھووے بِے لکھہ پڑے رووے
کامل مُرشد جس مل پینداتا بت ہو کھلووے
آنکھہ[۱] ناک منہ موندکے نام نرنجن لے
بھیتر کے پٹ جب کھلیں جب باہر کے پٹ دے

جاکی[۲] جیسی لگن ہے واکی واکو رام — روم روم میں رم رہے نہیں اور سی کام
پاس کہو تو پاس ہے اور دور کہو تو دور — جان اجان جہاں میں سب میں ہے بھرپور
دور[۳] کہوں تو دور ہے اور پاس کہوں تو پاس — روم روم میں م رہے جوں پھولن میں باس
ست[۴] گرپورا مل گیو جو کھول دکھائے نین کو — جگ جھوٹا دیکھن لگا جو دے پریکے سین

---

[۱] آنکھہ ناک منہ بند کرکے خدا کا نام لے کیونکہ باطن کے دروازے اُسی وقت کھلتے ہیں جب آدمی باہر کے دروازے بند کر لیتا ہے جب تک ظاہری حواس کو معطل کرکے باطن سے کام نہ لوگے نورِ الٰہی کے جلوے نظر نہ آئیں گے۔

[۲] جس شخص کی کسی سے جس قدر محبت ہوتی ہے اُسی قدر اس کا وہ مطیع ہے اور ہمارے تو بال بال میں بس گیا ہے دوسرے سے مطلب ہی نہیں۔

[۳] یعنی ہمارے بال بال میں ایسے بسے ہیں جیسے گل میں خوشبو۔

[۴] یعنی پیر کامل ملگئے آنکھیں کھولدیں تمام جہاں جھوٹا معلوم ہوا۔ جب اُنہوں نے دور سے اشارہ کیا۔

اِس لئے راہ دیکھتے دیکھتے وہ بادل دکھائی ہی دیتا ہی اے تلسی اُسکو اپنے عشق میں اسقدر بھروسہ ہی۔

پرین پپیہا پید کی پرکٹ نہیں پہچان　　یاچک جگت ادھین ان کیو کنوٹر و دان

یعنی یہ کہ پپیہے اور بادل کی یہ ایک نئی محبت ہے دنیا میں جتنے حاجتمند ہیں وہ عاجزی کرتے ہوئے ہی دیکھے گئے ہیں یہ ایسا ہے کہ اُسنے اُلٹا دینے والے ہی کو جھکایا ہے۔

تلسی چاتک کے متے سواتی ہیت نہ پان　　پریم ترکھا بڑھتی بھلی گھٹی گھٹیگی کان

یعنی یہ کہ اے تلسی پپیہے کا یہ خیال ہے کہ سواتی کا پانی برسے بھی تو نہ پیوں کیونکہ عشق کی پیاس بڑھتی ہی اچھی ہے اگر گھٹ گئی تو عشق میں کمی ظاہر ہوگی۔

ڈولت وپل وہنگ بن پیت پوکھری بار　　سُیش ہول چاتک تول تو بہوون وش چار

یعنی یہ کہ بہت سے پرندے جنگلوں میں اُڑتے پھرتے ہیں اور پوکھروں کا پانی پیتے ہیں مگر اے پپیہے تیری بے داغ شہرت ساری جہاں میں پھیل رہی ہی اسکا یہ مطلب ہے کہ تو نے جو ایک ہی کا لینی سواتی کے بادل کا آسرا لیا ہی اس سے تیری تعریف ساری جہاں میں ہے۔ دوسری جو پرندے ہیں جہاں انکو پانی ملتا ہی پی لیتے ہیں اور اسلئے اُنکی کوئی تعریف نہیں کرتا ہے۔ شاعر کا اِس دوہرے سے یہ مقصد ہے کہ جنہوں نے ایک ہی خداوند حقیقی کا آسرا لیا ہے وہی قابل تعریف ہیں اور نہ کہ وہ جو خدا کو چھوڑ کر دربدر بھٹکتے پھرتے ہیں۔

مکھہ میٹھے مانس ملن کوئل مور چکور　　سُیش للت چاتک رہیو بھوون بھر تور
مانگت ڈولت ہی نہیں تج گھر انت نہ جات　　تُلسی چاتک بھکت کو اُپما دیت لجات

اگرچہ شیریں مقال اور بھی پرندے ہیں مثلاً کوئل۔ مور۔ چکور۔ مگر انکا من صاف نہیں ہے اسلئے تیری تعریف اے پپیہے سارے جہان میں ہی تو اِدھر اُدھر مانگتا پھرتا نہیں ہی اور اپنا گھر چھوڑ کر نہیں جاتا اے تلسی پپیہا ایسا عاشق ہی کہ اسکی تشبیہہ کسی دوسرے کے ساتھ دینے میں شرم آتی ہی مطلب یہ ہی کہ

تین اور بھی پرندے عاشق مشہور ہیں۔ کوئل بسنت رُت۔ اور آم کی پھول پر۔ مور بادل اور بجلی پر۔ اور چکور چاند پر عاشق ہی۔ لیکن یہ تینوں پپیہے کی مانند نہیں ہیں جو صرف ایک سواتی کا پانی پیتا ہے۔ اُنکے اور بھی خواہشات ہیں اور کیڑے مکوڑے کھاتے ہیں۔ اس سے یہ غلیظ طبیعت کے جانور ہیں۔ ایک پپیہا ہی سچا اور صاف طبیعت رکھنے والا ہی۔ کیونکہ سواتی کے بادل کے پانی کی ایک بوند کے سوائے اور کسی چیز کی خواہش نہیں رکھتا سچے عشاق الٰہی مثل پپیہے کے ہیں جو صرف ایک خدا پر متوکل رہ کر اور اُسی کے عشق میں ڈوب کر طبیعت گندہ کرنے والی تمام دوسری خواہشات کو الوداع کہتے ہیں۔

اُنچی ذات پپیہرا نیچو پیت نہ نیر ۔۔۔ کے پانچ گن شیام سوں کے دکھ سہے شریر

پپیہے کی ذات بڑی اونچی ہے کیونکہ وہ نیچے پڑا ہوا پانی نہیں پیتا ہی یا تو بادل سے مانگتا ہی یا نہیں تو پیاسا رہ کر تکلیف اٹھاتا ہی۔ اس سے یہ مراد ہے کہ جو سچے عشاق حقیقی ہیں وہ خدا ہی سے مانگتے ہیں اور اسپر متوکل رہ کر تکلیف اٹھاتے رہتے ہیں۔ مگر دوسروں سے نہیں مانگتے۔

تلسی چاتک مانگنو ایک ایک گھن دان ۔۔۔ دیت سو بھو بھاجن بھرت لیت گھونٹ بھر پان

ادھین یاچت نہیں سیس نائے نہیں لئے ۔۔۔ ایسو مانی منگتیں کو بارد بن دے

یعنی یہ کہ اے تلسی پپیہے کا مانگنا ایک ہی ہے اور بادل دینے والا بھی ایک ہی ہے بادل ایسا سخی ہی کہ جب برستا ہے تو ساری زمین کو بھر دیتا ہے۔ اور پپیہا ایک قانع ہے کہ ایک ہی گھونٹ پانی کا پیتا ہے۔ اور پھر عاجزی کے ساتھ نہیں مانگتا اور گردن جھکا کر نہیں پیتا ہے۔ ایسے مغرور سائل کو سوائے بادل ایسے سخی کے اور کون دیگا اسیطرح وہ عشاق حقیقی ہیں اپنی ہٹ کو نہیں چھوڑتے۔ اگر مانگیں گے تو خدا ہی سے اور کسی سے نہیں۔ اور وہ اُس سے التجا بھی نہیں کرتے۔ اگر اُسکی خوشی ہے تو دے ورنہ نہ دے۔ وہ صابر اور قانع ہیں۔ اس لئے مانگنا بھی ایسے لوگوں کا سچا ہے۔ اور دینا بھی اُسی کا سچا ہے جب دیتا ہے تو نہال کر دیتا ہی اور پھر لینے والے بھی ایسے قانع ہیں کہ لیتے ہیں۔ اُسی قدر جو اُن کو چاہیئے۔ اور باقی کو ہاتھ نہیں لگاتے۔

دھرتا چاتک تجے سواتی سدھ نہیں لئے ۔۔۔ تلسی سیوک بس کہا جو صاحب نہیں دے

یعنی یہ کہ تالاب ندی وغیرہ تو پپیہے نے چھوڑ دئے ہیں اور سواتی کا بادل خبر نہیں لیتا ہے اے تلسی خادم کے ہاتھ میں کیا ہے جو صاحب نہیں دیتا ہے۔

تمام شد